شہید کربلا اور یزید

جائزہ از العبد ابو حسیب محمد تجلی نیر سہی

حضرت مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کی تازہ ترین تصنیف "شہید کربلا اور یزید" ابھی حال ہی میں سامنے آئی اس کو پڑھنے کے بعد جو تاثرات پیدا ہوئے سطور ذیل میں پیش ہیں اور حضرات علمائے کرام وارباب دانش وبینش سے درخواست ہے کہ وہ ضرور اپنی توجہ اس جانب بھی مبذول فرمائیں اور مسئلہ کی اہمیت ونزاکت محسوس فرماتے ہوئے عامۃ المسلمین کی صحیح رہنمائی کا حق ادا فرمائیں۔

یہ حقیقت تو ناقابل انکار ہے کہ زمانہ حال کی "بدنام مگر قابل غور اور رسوائے زمانہ" لیکن معرکۃ الآرا کتاب "خلافت معاویہ ویزید" نے ہندو پاک کی خاموش فضا میں ایک تلاطم برپا کر دیا جس کی وجہ یہ ہوئی کہ مصنف کتاب عباسی صاحب نے واقعہ کربلا اور کردار یزید کو ایسے انداز سے پیش کیا جس کے لئے عام مسلمانوں کے حاشیہ خیال میں گنجائش نہ تھی پھر غضب یہ کیا کہ اپنی کتاب کو اس قدر تاریخی اور عقلی دلائل وقرائن سے مدلل ومکمل کر کے پیش کیا کہ "ناواقف" اور "بے بصیرت" لوگوں نے تو حیرت وتعجب سے دیکھا لیکن شاید مجھ جیسے بہت سے لوگوں کے لئے اس کو تسلیم کر لینے کے سوا کوئی دوسرا چارۂ کار ہی نہ رہ گیا۔ اس طرح لوگوں کی خاصی تعداد اس "رسوائے زمانہ کتاب" سے متاثر ہونے لگی۔ ایسی صورت میں اگر حضرت مولانا محمد طیب صاحب یا دوسرے حضرات کو اس کتاب کا "فتنہ" ہونا محقق ہو گیا تھا تو بیشک یہ ان کا دینی فرض تھا کہ وہ "ناواقف" اور بے بصیرت لوگوں کی رہنمائی فرمائیں۔ چنانچہ حضرت مولانا موصوف نے اب سے بہت پہلے "الجمعیۃ" سنڈے ایڈیشن مورخہ یکم نومبر ۵۹ء میں اس کتاب سے بیزاری کا ایک اعلان شائع فرمایا۔ نیز محمد میاں صاحب مرادآبادی نے بھی اسی شمارے میں ایک طویل بیان شائع فرمایا جس میں نہایت زوردار الفاظ میں کتاب پر تنقید فرمائی گئی تھی۔ لیکن بحیثیت مجموعی اس کو ایک سطحی تنقید سے زیادہ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ اس کے ثبوت میں مولوی محمد میاں صاحب کے یہ جملے ملاحظہ فرمائیے۔ الجمعیۃ یکم نومبر ۵۹ء کے صفحہ پر فرماتے ہیں:-

"باقی یہ بات کہ احیاء خلافت راشدہ کا ایک مقدس اور پاکیزہ نقطہ نظر جو نور دیدۂ چشم رسالت کا نصب العین بنا رہا جس کے لئے حضرت موصوف نے اپنا سب کچھ قربانی کے لئے پیش کر دیا جس کی بناء پر آپ کے اس ایثار کو وہ مرتبہ دیا گیا کہ پوری امت نے آپ کی موت کو مظلومانہ موت اور آپ کی شہادت کو شہادت عظمیٰ قرار دیا۔ محمود احمد صاحب عباسی کی اس کتاب میں یہ نظریہ قطعاً سامنے نہیں آیا ہے۔"

اس کے بعد اس کے بالکل برعکس مولانا محمد طیب صاحب کے یہ چند جملے بھی پیش نظر رکھئے فرماتے ہیں:-

"حضرت حسین رضی اللہ عنہ بہرحال ان امور سے ناواقف نہ تھے۔"

چند جملوں کے بعد:-

"اس لئے نہ انھوں نے اس کی طلب فرمائی اور نہ وہ ایک ختم شدہ شے کی طلب فرما سکتے تھے جو موت کی طرح ان کے گھرانے ہی سے نہیں دنیا سے رخصت ہو چکی تھی۔ اس لئے ان کے کربلائی اقدام کو طلب خلافت پر محمول کرنا خلافت کی حقیقت اور اس کی تاریخ سے ناواقفی یا بے ذوقی کی دلیل ہے۔" (شہید کربلا اور یزید صفحہ ۵۵)

مولانا محمد طیب صاحب کی یہ تحریر کو پڑھنے کے بعد آپکو اختیار ہے کہ محمد میاں صاحب نے لوکو خلافت کی حقیقت سے ناواقفیت پر محمول کریں یا اسے ان کی بے ذوقی تصور فرمائیں۔ ع

ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

اور اگر محمد میاں صاحب کو اس کتاب یا اس کے فاضل مصنف مولانا طیب صاحب سے کچھ اختلاف ہو تو ان کے لئے مناسب ہوگا کہ وہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے یہ جملے ملاحظہ فرمائیں:۔

خروج امام حسین علیہ السلام بنابر دعوائے خلافت راشدہ پیغمبر کہ بعد رسی سال منقضی گشتہ نبود بلکہ بنا بر تخلیص رعایا از دست ظالم بود و اعانۃ المظلوم علی الظالم من الواجبات۔ (فتاویٰ عزیزی صفحہ ۱۲ بحوالہ شہید کربلا اور یزید صفحہ ۸۶)	امام حسین علیہ السلام کا خروج پیغمبر (علیہ السلام) کی خلافت راشدہ کے دعوے کی بنا پر نہ تھا جو تیس سال گذرنے پر ختم ہو چکی تھی بلکہ ایک ظالم کے ہاتھ سے رعایا کو چھڑانے کی بنا پر تھا اور ظالم کے مقابلہ میں مظلوم کی اعانت واجبات دین میں سے ہے

اس عبارت کو ملاحظہ فرمانے کے بعد ممکن ہے کہ محمد میاں صاحب تو مطمئن ہو جائیں، لیکن مجھ جیسے وابستہ "جماعت دارالعلوم دیوبند" کی بے اطمینانی دور نہ ہو سکے گی اور یہ حیرانی باقی رہیگی کہ جماعت دارالعلوم دیوبند کا مسلک کیا سمجھا جائے (درحالیکہ جس طرح محمد میاں صاحب کے بیان کی ذیلی سرخی میں ان کے بیان کو "علماء دارالعلوم دیوبند و جمعیۃ علماء ہند کا مسلک" قرار دیا گیا ہے اسی طرح مولانا محمد طیب صاحب کی کتاب "شہید کربلا اور یزید" میں یوں دعویٰ فرمایا گیا ہے کہ "یہ کتاب جماعت دارالعلوم دیوبند کے متفقہ مسلک حق کی ترجمان ہے"،) کیونکہ ان دونوں تحریروں میں جو بنیادی اختلاف ہے وہ محتاج بیان نہیں اس لئے مناسب تو یہ تھا کہ ان حضرات نے ایسے بلند بانگ دعووں سے پہلے آپس میں کم از کم مشورہ تو کر لیا ہوتا کہ ان کا مسلک اس طرح آپس کی تضاد بیانی کی نذر تو نہ ہوتا۔

اس اعلان اور بیان کے بعد عزیز احمد صاحب قاسمی نے الجمعیۃ سنڈے ایڈیشن میں عباسی صاحب کی کتاب پر "ایک طائرانہ نظر" ڈالی جو ۲۲ اور ۲۹ نومبر کی دو قسطوں میں شائع ہوئی۔ اس مضمون میں ضرور حوالے کی بعض غلطیوں کی نشاندہی کی گئی تھی اور "مشتے نمونہ از خروارے" کے اصول کو ملحوظ رکھتے ہوئے پوری کتاب کو مجروح اور ناقابل اعتبار ٹھہرانے کے لئے اس مضمون کو کافی سمجھ لیا گیا تھا، حالانکہ جہاں تک حقیقت کا تعلق ہے قاسمی صاحب کی ان گرفتوں سے کتاب کے ایک جزو پر کچھ معمولی سا اثر ضرور پڑ سکتا تھا[1] بشرطیکہ اس مسئلہ میں عباسی صاحب کی کتاب کی بنیاد صرف اسی حوالہ پر ہوتی لیکن چونکہ عباسی صاحب کی بنیاد متعدد حوالوں پر ہے اس لئے تاوقتیکہ ان سب کو مجروح اور غلط نہ ثابت کیا جائے ایسے اعلانات و مضامین کو تو صرف طائرانہ ہی سمجھا جا سکتا ہے بلکہ طفل تسلی سے زیادہ ان کی کوئی حیثیت نہیں ہو سکتی۔

ان اخباری اعلانات و بیانات کے بعد حضرت مولانا محمد طیب صاحب کی تازہ تصنیف "شہید کربلا اور یزید" بھی مطالعہ میں آئی مگر اس طرح کہ جس وقت یہ کتاب مطالعہ کے لئے میں نے اٹھائی تھی میں سراپا شوق تھا اور مطالعہ کے بعد جس دم یہ کتاب رکھی ہے تو گویا میں مجسمۂ یاس بن چکا تھا اور اسی عالم مایوسی میں بار بار یہ خیال آتا تھا کہ کاش مولانا "الجمعیۃ" کے اسی مختصر اعلان بیزاری پر ہی اکتفا فرماتے تو کیا اچھا ہوتا کم از کم بھرم تو باقی رہتا اور ہم جیسے پرانے نیازمندوں کے قدیم حسن ظن کو ٹھیس تو نہ لگتی۔ ہم اپنے دلوں کو سمجھا لیتے کہ حضرت مولانا نے عباسی صاحب کی کتاب کو درخور اعتنا نہیں خیال فرمایا اور تقاضائے مصلحت یہی جانا کہ اس کا کوئی جواب نہ دیا جائے ورنہ اس کی طرف ذرا بھی توجہ کرنا اس کو قعر مذلت سے نکال کر بام شہرت تک پہنچا دینے کے مرادف ہوگا، لیکن یہ ہماری بدقسمتی تھی کہ ایسا نہ ہوا اور مصنف کے صاحب زادے کی طرف سے "عظیم دعوت فکر" بنکر شہید کربلا اور یزید نامی یہ کتاب ہمارے سامنے آگئی۔ آئندہ سطور میں اس کا خلاصہ نمبروار پیش ہے اس کے ساتھ ہی اپنی معروضات بھی حاضر ہیں اور فیصلہ ارباب دانش و بینش کے ہاتھ ہے۔

حضرت مولانا کے ارشادات اور اپنی معروضات پیش۔

---

[1] ذرا سا بھی اثر نہیں پڑا جیسا کہ عباسی صاحب نے اپنے اسی شمارے میں شامل جواب میں واضح فرمایا ہے۔ (تجلی)

کرنے سے پہلے دو ایک باتیں اور بھی عرض کر دی جائیں تو آئندہ گذارشات کو سمجھنا زیادہ آسان ہوگا۔

(الف) عباسی صاحب کی تعبیرات اور ان کے مطالب و الفاظ کو خدا جانے کس ضرورت شرعی اور مصلحت دینی کی بنا پر مولانا کی اس تصنیف میں اس حد تک تبدیل فرما کر پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے جسے روایت بالمعنی کہنا مشکل ہے۔ البتہ اسے "تفسیر القول بما لا یرضیٰ بہ القائل"[1] کہنا غالباً حقیقت سے بعید نہ ہوگا۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ ایسی تفسیر اور تعبیر کی اس درجہ تغییر حضرت مولانا کی ذات، ذاتی صفات اور ان کے منصب جلیل کے شایانِ شان کسی طرح نہیں ہو سکتی۔ اس لئے اس کا قطعی فیصلہ خود حضرت مولانا پر یا ان حضرات پر رکھنا مناسب ہوگا جنھوں نے عباسی صاحب کی کتاب کا واقعی مطالعہ کیا ہو۔ مثال کے لئے مولانا کی کتاب کے صفحات ۱۷ و ۱۹ و ۲۳ و ۲۴ و ۲۵ و ۵۲ و ۶۵ و ۷۰ و ۱۰۸ و ۱۱۱ ملاحظہ فرمائیے اور ان میں جو کچھ عباسی صاحب کی طرف منسوب کیا گیا ہے اسے عباسی صاحب کی کتاب میں تلاش کیجئے آپ کو تضییع اوقات کے سوا اور کچھ ہاتھ نہ آئے گا اور میری طرح آپ بھی اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ بغیر اس قدر تغییر و تحریف کے عباسی کے خلاف لوگوں کو مشتعل کرنا کچھ آسان نہیں تھا۔

(ب) حضرت مولانا کی عظمتِ شان اور منصب جلیل کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان کے ساتھ اس قسم کی بدگمانی تو شاید جائز نہ ہو کہ دانستہ طور پر انھوں نے عباسی صاحب کی طرف غلط باتیں بھی منسوب کر دی ہیں، بلکہ ان کے ساتھ جو "حسن ظن" ہونا چاہئے اس کا تقاضا تو یہ ہے کہ ایسے بیجا تصرفات اور غلط انتسابات کو دیکھ کر یہ رائے قائم کی جائے کہ شاید حضرت مولانا کے کسی شاگرد و مرید نے عباسی صاحب کی کتاب کا خلاصہ اپنے طور پر پیش کر دیا ہے اور مولانا نے اپنے شایانِ شان حسن ظن کی وجہ سے اسے لائق اعتماد خیال فرمایا اور اپنے اس "مزعومہ فکری فتنہ" کی تردید ضروری جان کر یہ کتاب تصنیف فرما دی بلکہ کوئی تعجب نہیں کہ ان کو اپنے گوناگوں مشاغل اور طول طویل اسفار کی بنا پر فرصت جواب بھی نہ رہی ہو اور "آنچہ پدر نتواند پسر تمام کند" کے مطابق مولوی سالم صاحب نے یہ تصنیف لطیف فرمائی ہو اور حضرت مولانا کے زیر ملاحظہ یا زیر سماعت لا کر اسے مولانا کے حقیقت نگار قلم کا شاہکار بتا کر روایت "قرار دیدیا" ہو (جس کی نظیر "فیصلہ ہفت مسئلہ" کی شکل میں ہمارے سامنے موجود ہے جو تصنیف ہے حضرت حکیم الامت علیہ الرحمۃ کی مگر منسوب ہے حضرت حاجی صاحب نور اللہ مرقدہ کی طرف)۔

اگر کسی صاحب کو ہماری یہ گذارش محض تخمین و اندازہ پر مبنی نظر آئے تو وہ ذرا سی محنت سے کام لیں اور عباسی صاحب کی کتاب "خلافت معاویہ و یزید" اور "تحقیق مزید بلاد و یزید" کا باہمی مقابلہ کے ساتھ مطالعہ فرمائیں مجھے پورا یقین ہے کہ میری طرح وہ بھی اسی نتیجہ پر پہنچیں گے کہ یا تو حضرت مولانا نے عباسی صاحب کی کتاب کا پوری طرح مطالعہ کئے بغیر یہ جواب تحریر فرمایا ہے یا دانستہ ان کے مطالب کو الفاظ کی تحریف و تبدیلی کے بعد پیش کیا ہے مگر چونکہ یہ دوسری صورت حضرت مولانا کی شان سے بعید ہے اس لئے اگر حضرت مولانا کے منصب جلیل اور ان کی شانِ علم کا لحاظ ضروری امر ہے تو اس توجیہ کے سوا کوئی چارہ کار نہیں کہ مولانا کا یہ جواب عباسی صاحب کی تصنیف کا مطالعہ کئے بغیر ہی تحریر فرمایا گیا ہے، بلکہ مولانا کی شانِ علمی کی قدیم روایات کا تقاضا تو یہ ہے کہ اسے ان کی مستقل تصنیف بھی نہ مانا جائے اور "فیصلہ ہفت مسئلہ" کے قسم کی کوئی چیز سمجھا جائے۔

اس تمہید کے بعد مولانا کے فرمودات اور اپنی معروضات

[1] قول کے ایسے معنی نکالنا جو قائل کا منشاء نہ ہوں۔

نمبروار عرض ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے۔

(۱) مولانا اپنی کتاب "شہیدِ کربلا اور یزید" صفحہ ۱۳ پر فرماتے ہیں کہ:۔

"اندازہ یہ ہوتا ہے کہ مصنف کتاب کے ذہن میں کچھ تاریخی نظریات پہلے سے قائم شدہ موجود تھے جن کے لئے تائیدات کی ضرورت تھی تو مفید مطلب تاریخی ٹکڑوں کا ملجانا کوئی عجیب بات نہ تھی کیونکہ دنیا میں ہر فن کی طرح تاریخ میں بھی مختلف اقوال موجود ہیں اس لئے جو حضرات ذہن کو خالی کرکے تاریخ سے نظریات اخذ کرنیکے بجائے نظریات سے تاریخ اخذ کرنیکے عادی ہیں انھیں موافق مطلب اقوال کا ملجانا تعجب انگیز نہیں لیکن اس کا نام تاریخی ریسرچ نہیں اسے نظریاتی ریسرچ کہنا چاہیئے۔"

مولانا کی اس عبارت میں "تاریخ سے نظریات" یا "نظریات سے تاریخ" اخذ کرنے کی جو فلسفیانہ بات پیدا کی گئی ہے وہ دلچسپ ہونیکے باوجود تسامح سے خالی نہیں اور اس تسامح سے قطع نظر اس موقع پر ایک اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا کسی تحقیقی اور واقعی جواب اور تردید کی بنیاد محض تخمین اندازہ یا وہم وگمان پر رکھی جا سکتی ہے اگر نہیں رکھی جا سکتی بلکہ حقیقت بھی یہی ہے کہ نہیں رکھی جاسکتی۔ تو مجھے نہایت ادب کے ساتھ یہ عرض کرنے کی اجازت دی جائے کہ حضرت مولانا کی ساری کتاب اسی قسم کے اندازوں اور تخمینوں کی بنیاد پر قائم ہے پھر یہ کہ اگر کسی درجہ میں ایسی کمزور بنیاد پر جواب کی تعمیر جائز بھی ہو تو کم از کم حضرت مولانا جیسے بلند پایہ محقق ومفکر اور "حکیم الاسلام" کے شایانِ شان تو کسی طرح نہیں کہا جا سکتا۔ مگر تعجب تو یہ ہے کہ حضرت مولانا کو اپنے اس اندازہ پر اس قدر وثوق واعتماد ہے کہ اپنے سارے جواب کی بنیاد ہی اس پر قائم فرمائے ہے ہیں اور تعجب بالائے تعجب یہ ہے کہ ایک طرف تو مولانا عباسی صاحب کی تحقیق اور ریسرچ کا مذاق اڑا رہے ہیں اور دوسری طرف خود بھی اسی قسم کے نظریاتی اور وجدانی جوابوں سے انکی تردید بھی فرمانا چاہتے ہیں جس کی مثالیں آئندہ اپنے اپنے موقع پر پیش کی جائیں گی۔

(۲) صفحہ ۱۵ پر مولانا فرماتے ہیں کہ:۔

"اس ریسرچ کا اثر چونکہ عقائد ملت پر پڑتا ہے اور اس سے مذہب کے کتنے ہی اہم اجزاء مشتبہ ٹھیرتے ہیں اس لئے ضرورت محسوس کی گئی کہ تاریخی پہلو سے زیادہ اسے مذہبی اور دینی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے اور مذہب وعقیدہ واضح کرکے اسی معیار سے اس تاریخ کو رد یا قبول کیا جائے۔"

حضرت مولانا نے یہ بات بظاہر تو نہایت اہم اور بنیادی تحریر فرمائی ہے لیکن اس سلسلہ میں ذیلی گذارشیں بھی ملاحظہ فرمائی جائیں تو اندازہ ہوگا کہ بعض باتیں نہایت ہی خوش آئند ہوتے ہوئے بھی حقیقت سے کس قدر دور ہو سکتی ہیں۔ مولانا اپنے اس دعوی کے باوجود کہ عباسی صاحب کی کتاب میں تاریخ کی واضح اور کھلی تصریحات تک سے اغماض کیا گیا ہے) غالباً تاریخی روایات کو اپنے لئے زیادہ مفید مطلب نہیں پاتے اس لئے مصلحت اور پیش بندی کا تقاضا انھیں یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اسے تاریخی پہلو سے زیادہ مذہبی اور دینی نقطۂ نظر سے دیکھیں۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے اس موقع پر اپنا زور قلم کافی صرف فرمایا ہے اور اس کے بعد بھی جابجا لوگوں کے ذہن کو اسی طرف متوجہ رکھنے کی کوشش فرمائی ہے لیکن آیئے ذرا اس عقیدہ کی بھی حقیقت معلوم کی جائے جسکی تائید کے لئے مولانا نے اس رسوائے زمانہ کتاب کی تنقید کوا پنا دینی فریضہ تصور فرمایا مگر آپ کو سخت ناکامی کا سامنا ہوگا جب آپ عباسی صاحب کی کتاب میں اس "باطل وغلط عقیدہ" کو تلاش کریں جس کی اصلاح کے لئے "جماعت دارالعلوم دیوبند" کے تمام افراد قلم برداشتہ بلا کسی ادنیٰ تیاری کے میدانِ صحافت میں کود پڑے

[illegible]

کیونکہ جہاں تک عباسی صاحب کی کتاب کا تعلق ہے اس میں سیّدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو پوری جلالتِ شان اور کمال احترام کے ساتھ پیش کیا گیا ہے اور ان کے بارے میں کسی قسم کی بدگوئی، بدگمانی اور بدعقیدگی کو قطعاً راہ نہیں دی گئی ہے۔ مثال کے لئے چند جملے حاضر ہیں۔ ایک مقام پر لکھتے ہیں :-

"بہرحال حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی طہارتِ نیت کی برکت تھی کہ بالآخر آپ نے اپنے موقف سے رجوع کرلیا۔"

چند سطروں کے بعد فرماتے ہیں کہ :-

"حضرت حسین سبط الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ سعادت کبریٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خروج عن الجماعۃ کے شر سے محفوظ رکھا اور بالآخر اس کی توفیق ارزانی فرمائی کہ جماعت کے فیصلہ کی حرمت برقرار رکھنے کا اعلان کردیں۔" (خلافت معاویہ و یزید صفحہ ۱۴۷، ۱۴۹)

ان عبارات کو دیکھنے کے بعد اس وہم کی بھی گنجائش نہیں رہ جاتی کہ عباسی صاحب کی کتاب میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے متعلق کسی بدعقیدگی کا کوئی نشان بھی پایا جاسکے گا۔

اور اگر حضرت مولانا نے عباسی صاحب کیلئے مفروضہ و مزعومہ بدعقیدگی کا استخراج خروج، خطا، سیاسی غلطی، دنیوی غلطی وغیرہ جیسے الفاظ سے فرمایا ہے تو بڑی بے انصافی فرمائی کیونکہ یہ الفاظ خود مولانا نے بھی اپنی کتاب کے صفحات ۷۹، ۸۵، ۹۸، ۱۰۱ پر حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب علیہ الرحمہ اور ابن خلدون کے اقتباسات میں نقل فرمائے ہیں۔ اب سمجھ میں نہیں آتا کہ اس طرح زبردستی اور بلاوجہ کسی عقیدہ اور مذہب کی حمایت و نصرت کا اعلان کرکے واقعی کسی عقیدہ کے تحفظ کی کوشش فرمائی گئی ہے یا مذہب و عقیدہ کی آڑ لیکر دانستہ ایک حق بات کو باطل باور کرانے کی سعی فرمائی گئی ہے۔ خدا نہ کرے کہ واقعہ یہ ہو ورنہ جماعت دارالعلوم دیوبند کی طرف سے اگر اس قسم کی خدمات انجام پانے لگیں گی تو پھر دین کا تو اللہ ہی مالک ہے۔

(۳) صفحہ ۱۶ پر فرماتے ہیں کہ :-

"لیکن چونکہ یہ ساری محنت ایک خاص نقطۂ نظر کو سامنے رکھ کر کی گئی ہے اس لئے اس میں تاریخی ریسرچ کے ساتھ ساتھ نظریاتی ریسرچ بھی شامل ہوگئی۔"

کچھ آگے چلکر فرماتے ہیں کہ :-

"یزید کی تبری اس حد تک صحیح ہوتی کہ جو اس نے نہ کیا ہو اُسے نہ کیا ہوا ظاہر کیا جائے، لیکن اس حد تک کہ جو اس نے کیا ہے اس کا بھی انکار کردیا جائے تاریخی تعدی ہے۔ یزید سے اگر فسق اٹھایا جاتا بشرطیکہ اٹھ سکتا ہو تو کوئی حرج نہ تھا، لیکن اسے خلفائے راشدین میں شمار کرادیا جانا تاریخی ریسرچ نہیں بلکہ تاریخ کے علی الرغم وہی نظریاتی ریسرچ ہے۔"

اور آگے چلکر فرماتے ہیں کہ :-

"لیکن ان کی (سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی) ذاتِ قدسیہ کو حبِ جاہ و ہوسِ اقتدار سے متہم ٹھیرانا تاریخ نہیں بلکہ وہی ذہنی منصوبہ بندی ہے۔" (شہید کربلا اور یزید صفحہ ۱۶)

اس موقع پر بھی مولانا کو عباسی صاحب کیلئے "خاص نقطۂ نظر" اور "ذہنی منصوبہ بندی" کے اپنے وہی پرانے مفروضہ جملے ہی یاد آئے اور ناظرین کو دوبارہ "تاریخی ریسرچ" اور "نظریاتی ریسرچ" کی بھول بھلیوں میں حیران و سرگرداں رکھنا ہی انھیں اچھا معلوم ہوا پھر اسی پر بس نہیں فرمایا، بلکہ عباسی صاحب کے کثیر تاریخی حوالوں کے جواب میں ایک مختصر سا لفظیوں ارشاد فرمادیا کہ "تاریخی تعدی" ہے۔ اگر ہمارے مولانا کے نزدیک عباسی صاحب تاریخی تعدی کے مرتکب اس لئے ٹھیرتے ہیں کہ انھوں نے (بقول مولانا) یزید کے کئے ہوئے کو نہ کیا ہوا ظاہر کیا ہے (درحالیکہ حقیقت یہ ہرگز نہیں ہے) تو براہ کرم مولانا کوئی شائستہ اور مہذب سا ڈھلا ہوا فقرہ مجھے بھی بتائیں جسے میں ان لوگوں کے لئے استعمال کرسکوں جو بہت سی "ناگفتہ" باتیں عباسی صاحب کی طرف منسوب کرکے اپنا کوئی ذہنی منصوبہ مکمل کرنا چاہتے ہیں۔

کیا میں دریافت کرسکتا ہوں کہ کس موقع پر عباسی صاحب حضرت امام ہمام کی مذمت پر اتر آئے ہیں اور کس مقام پر انھوں نے حضرت امام کی ذات اقدس کو حبِ جاہ و ہوسِ اقتدار سے متہم ٹھیرایا ہے؟ عباسی صاحب کی نظر میں حضرت امام ہمام کی جو عظمت ہے وہ کسی حد تک ان جملوں سے مترشح ہوتی ہے جو پچھلے

صفحات میں نقل بھی ہو چکے ہیں۔ ایسی صورت میں یہ بات تو نہایت وثوق کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ عباسی صاحب نے اگر حضرت امام کی ذات والاصفات کی طرف کچھ منسوب بھی کیا ہے تو وہ وہی اجتہادی خطا اور لغزش ہے جس کا امام ہمام کے منافی شان نہ ہونا خود مولانا کو بھی تسلیم ہے جیسا اسی صفحہ ۱۷ سے مستفاد ہوتا ہے (فرماتے ہیں "اگر کسی پہلو کی کوئی خطا اجتہادی ان کی طرف منسوب کر دی جاتی تو ان کے شان عالی کے منافی نہ ہوتی") نیز اس کے علاوہ صفحہ و صفحہ و صفحہ پر مقدمہ ابن خلدون کے اقتباسات تو اس سلسلہ میں بالکل صریح ہیں اس لئے عباسی صاحب جس جرم کے واقعی مجرم ٹھہرتے ہیں وہ مولانا کا اور ان کا مشترک ہے (بشرطیکہ وہ جرم ہو) ہے وہ اور الزامات جو عباسی صاحب کے ذمہ مولانا عائد فرمانا چاہتے ہیں تو عباسی صاحب اس سے بالکل بری ہیں۔

اس موقع پر مولانا ہی کے ارشاد کے مطابق کہنا پڑتا ہے کہ کیا اچھا ہوتا کہ ہمارے مولانا بھی صرف رد ہی فرمانے پر اکتفا فرماتے (بشرطیکہ وہ ممکن ہوتا) لیکن یہ ردِ عمل جو مولانا کی تحریر سے ظاہر ہے دار العلوم کے لئے کوئی نیک فال نہیں ہے ویسے دعا تو اپنی یہی ہے کہ خدا کرے یہ وہم ہمارا سراسر غلط ہی ہو اور مولانا کی یہ تحریر واقعی تردید ہو بلکہ کسی ہنگامی مصلحت کی خاطر یہ تردید و تنقید عمل میں لائی گئی ہو۔

(۴) صفحہ ۱۹ پر "مباحث" کی سرخی قائم فرما کر اس کے تحت فرماتے ہیں کہ:۔

"عباسی صاحب کا مطمح نظر جو کہ یزید کو خلیفہ برحق بلکہ عمر ثانی دکھلا کر اس کا ذاتی اور سیاسی کردار بے عیب ظاہر کرنا تھا"

کیا مولانا سے دریافت کیا جا سکتا ہے کہ براہِ کرم اس مقام کی نشاندہی فرمائیے جہاں عباسی صاحب نے یزید کو عمر ثانی دکھلایا ہے جہاں تک اپنی کوتاہ نظر پہنچ سکی ہے عباسی صاحب کی کتاب میں کوئی ایسی عبارت نہیں نظر آ سکی جس کی بنا پر اس خلاف حقیقت بات کی تصدیق ہو سکے اور اگر مولانا کا اشارہ البدایہ والنہایہ کے اقتباس کی طرف ہے:۔

قال (یزید) کنت واللہ یا ابتہ عاملا فیھم عمل عمر بن الخطاب فقال سبحان اللہ یا بنی واللہ لقد جھدت علی سیرۃ عثمان فما اطقتھا فکیف بک وسیرۃ عمر (البدایہ والنہایہ صفحہ $\frac{229}{87}$)	(یزید نے) کہا واللہ اے ابا جان حضرت عمر بن الخطاب نے جو عمل امت کے ساتھ کیا میں بھی ان کے ساتھ وہی عمل کروں گا تو حضرت معاویہؓ نے فرمایا سبحان اللہ! اے بیٹے! میں تو اللہ حضرت عثمان کی کوشش کی مگر وہ بھی نہ کر سکا پھر کہاں تم اور سیرت عمر کی پیروی؟ (خلافت معاویہ و یزید صفحہ ۸۳)

+ + + +

تو سخت تعجب ہے کہ یہ الزام عباسی صاحب کے سر کس جرم میں لگایا جا رہا ہے۔ کیونکہ اس کا اصل ملزم تو یزید ہے جس نے ایسی بات منہ سے نکالی یا دوسرے نمبر پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ملزم ٹھہرتے ہیں جنھوں نے ایسی بات سن کر کوئی تعزیر نہ کی صرف معمولی تنبیہ کو کافی سمجھا اور اس کے بعد۔ اگر یہ الزام متعدی ہو تو علامہ ابن کثیر ملزم ٹھہرتے ہیں جنھوں نے یہ مکالمہ البدایہ والنہایہ میں نقل کیا بلکہ اگر گستاخی نہ ہو تو عرض کیا جائے کہ ہمارے مولانا کا دامن بھی اس الزام سے نہیں بچا۔ جنھوں نے اس حوالہ کو غلط ثابت کرنے کی مطلق کوشش نہیں فرمائی۔ ویسے تو عباسی کی تحقیق و تفحص کو "تاریخی تعدی"۔ "نظریاتی ریسرچ" وغیرہ کے عنوان سے اکثر یاد فرماتے رہے لیکن حوالہ کی غلطی نکالنے کی مطلق زحمت نہیں فرمائی۔ ساری کتاب میں حوالہ کی صرف ایک غلطی پیش فرمائی مگر وہ بھی ایسی نہیں کہ اس کی وجہ سے بقیہ تمام حوالے بیکار ہو جائیں۔[1]

(۵) صفحہ ۱۹ پر منقولہ بالا عبارت کے ساتھ فرماتے ہیں:۔

"تو اس کا لازمی نتیجہ یہی تھا کہ اس کے مقابل سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو ذاتی اور سیاسی کردار کے لحاظ سے پست اور اخلاق و اوصاف کے لحاظ سے معاذ اللہ داغدار ثابت کیا جاتا۔ اس لئے انھوں نے اس میزان کے دو پلوں میں ان دو کو جھلا کر یزید کا پلہ تو اخلاقی و عملی خوبیوں سے وزن دار بنا کر جھکا دیا اور حسینؓ کا پلہ فضائل و مناقب اور عام اخلاقی و عملی خوبیوں سے خالی اور بے وزن دکھلا کر دیر تک اٹھا دیا تاکہ امت کا وہ ذہن بدل جائے جو اب تک اس کے برعکس قائم شدہ تھا"

---

[1] ہم کہتے ہیں مہتمم صاحب کی نکالی ہوئی حوالے کی یہ ایک غلطی بھی فیصلہ کن نہیں ہے۔ (تجلی)

سوال یہ ہے کہ اگر عباسی صاحب نے یزید کو خلیفۂ برحق ثابت کرنے کیلئے اس کا ذاتی و سیاسی کردار بے عیب دکھایا تھا تو حضرت مولانا نے اس سے یہ نتیجہ کس طرح نکالا؟ اگر مولانا ان مقدمات کو باقاعدہ ترتیب دیکر نتیجہ کا استخراج فرماتے اور مدح یزید و قدح حسین کے درمیان لزوم واقعی کو بھی ثابت فرماتے تو شاید ہم جیسے طالب علموں کی معلومات میں اضافہ کا باعث ہوتا ورنہ مولانا کی دلیل تو کچھ اس قسم کی ہے کہ "چونکہ مدح یزید مستلزم ہے قدح حسین کو اور عباسی نے مدح یزید کی ہے" لہٰذا نتیجہ یہ نکلا کہ عباسی نے قدح حسین کی ہے، لیکن مولانا غالباً دوسروں کا یہ حق تو سلب فرمائیں گے کہ کوئی طالب علم عرض کرے کہ مولانا آپ کے اس قضیہ میں مقدمہ[1] بالکل فرضی و نظری ہے اس لئے براہِ کرم اس استلزام و لزوم کو ثابت فرمائیے ورنہ اس کی حقیقت ایک مغالطہ سے زیادہ کچھ نہیں ہے جو آپ جیسے جلیل القدر، حقیقت نگار، حکیم الاسلام کی شان کے منافی ہے۔

مندرجہ بالا عبارت میں مولانا نے عباسی صاحب کی ترازو اور اس کے پلوں کو جھکا دینے اور اُٹھا دینے کی جو تصویر کھینچی ہے اس سے بظاہر ان کی تحریر وزنی تو ضرور نظر آنے لگی۔ لیکن اس وقت کیا ہوگا جب کوئی اللہ کا بندہ ان اعتراضات کو عباسی صاحب کی کتاب میں تلاش کرنا چاہے گا اور اپنی ناکامی پر وہ یہ خیال کرے گا کہ مولانا نے جس ترازو سے عباسی صاحب کی کتاب کو تولا ہے اس میں کچھ پاسنگ پہلے ہی سے موجود تھا اور ان کی یہ تنقیدی میزان ہی غلط تھی ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ نہ تو عباسی صاحب نے کوئی پلہ جھکایا ہے نہ اُٹھایا ہے، پھر یزید کے مقابلہ میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شخصیت جب اس قدر ممتاز ہے تو ان کی شان عالی کسی کے پلہ جھکانے سے کیا کم ہو جائے گی؟ ہاں یزید کی پوزیشن ضرور کچھ خفا میں تھی جس کے پردے عباسی صاحب نے اُٹھانے چاہے تھے، مگر پتہ نہیں "بغض معاویہ" کی یہ کون سی قسم ہے جس کا شکار حضرت مولانا جیسے مقدس حضرات بھی ہو گئے اور یزید کی بریت ان کو ایک آنکھ نہ بھائی۔

(۶) صفحہ ۲۶ پر مولانا فرماتے ہیں کہ:-

"سو معروضات ذیل پر نظر ڈالئے جس سے اولاً صحابیت حسین کے مسئلہ پر روشنی پڑے گی جس کی نفی عباسی صاحب کا پہلا منصوبہ ہے"

ہمارے مولانا کو اپنے منصوبہ کے مطابق عباسی صاحب کے لئے "منصوبہ بندی" وغیرہ الفاظ کی تکرار خدا جانے کیوں ضروری معلوم ہوتی ہے، چنانچہ یہ بحث بھی "پہلا منصوبہ" کے عنوان سے شروع فرمائی ہے جو صفحہ ۲۶ سے صفحہ ۷۰ تک ۴۸ صفحات میں پھیلی ہوئی ہے، جس میں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی صحابیت کو نہایت محدثانہ و مفسرانہ انداز سے ثابت فرمایا ہے، لیکن بنیادی کمزوری سے یہ مبحث بھی خالی نہیں۔ یعنی ایک تو زبردستی عباسی صاحب کے ذمہ یہ الزام عائد کرنا ضروری خیال فرمایا کہ عباسی صاحب حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی صحابیت کے قائل نہیں، حالانکہ عباسی صاحب نے جس موقع پر صالح بن احمد بن حنبل کی روایت پیش کی اس کا مقصود صرف اسی قدر ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ زمانہ حیات نبوی میں ایسے صغیر السن تھے کہ بعض حضرات نے ان کے بڑے بھائی حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو بھی صحابی کے بجائے تابعی کہا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ انداز کلام ہرگز یہ ظاہر نہیں کرتا کہ عباسی صاحب بذات خود بھی ان کی صحابیت کے منکر ہیں یا ان کی صحابیت کا انکار ان کا کوئی خاص ذہنی منصوبہ ہے۔

دوسری کمزوری یہ ہے کہ عباسی صاحب نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی تابعیت کے لئے جو حوالہ نقل کیا ہے مولانا نے اس کا مذاق اُڑانے کی تو کافی کوشش فرمائی، لیکن اس کی تغلیط آخر تک نہیں فرمائی جس کا نتیجہ یہی تو سمجھا جائے گا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ یا ان جیسے صغیر السن حضرات کے بارے میں حضرات محدثین مختلف ہیں بعض انھیں صحابی مانتے ہیں اور بعض تابعی کہتے ہیں۔ ایک قول مولانا نے اختیار فرمایا اور دلائل سے اسی کو راجح قرار دیا (جس کا انکار عباسی صاحب کو بھی نہیں ہے) دوسرا قول وہ ہے جسے ضمناً

---

[1] یہ منطق کا ایک اصطلاحی لفظ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح "دن" کہنے کا لازمی مطلب یہ ہوتا ہے کہ سورج نکلا ہوا ہے اسی طرح اگر یزید کی تعریف کا لازمی مطلب یہ ہوتا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ برے قرار پا جائیں جب تو مہتمم صاحب کا الزام درست ہو سکتا تھا، لیکن ظاہر ہے کہ یزید کی تعریف اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی مذمت میں دن اور سورج والا ربط نہیں ہے اسلئے الزام میں کوئی جان نہیں۔ (تجلی)

عباسی صاحب نے ایک مقام پر نقل کر دیا ہے (اگرچہ وہ بھی اسے قابل ترجیح نہیں قرار دیتے) اگر عباسی صاحب کی یہ حرکت اس قدر گمراہ کن تھی جیسا کہ مولانا کے ۴۰ صفحات کی تفصیل کا تقاضا ہے تو ضرورت تھی کہ مولانا یا تو عباسی کے حوالہ کو غلط ثابت فرماتے یا حافظ ابن کثیر اور امام احمد کے، صاحب زادے "صالح" کی بھی اسی طرح خبر لیتے کہ آخر کس منصوبہ کے تحت انھوں نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی "ام الفضائل" یعنی صحابیت کو ان سے مسلوب کرنے کی غیر مذہبی کوشش کی

اس موقع پر یہ لطیفہ بھی لطف سے خالی نہ ہوگا کہ مولانا نے عباسی صاحب کے اس اقتباس کی تنقید و تردید میں کافی زورِ قلم صرف فرمایا ہے جس میں بقول مولانا عباسی صاحب نے حضرت حسینؓ کی عمر کا بیان کرتے ہوئے البدایہ کے ترجمہ میں پانچ کے ساتھ "صرف" کا لفظ بھی بڑھا دیا تھا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ یہ جذبۂ تنقید مولانا پر کچھ اس طرح مستولی ہوا کہ مولانا نے دانستہ یا نادانستہ یہ اعتراض تو بالکل زبردستی عباسی صاحب کے ذمہ عائد فرما دیا ورنہ عباسی صاحب کی کتاب میں بدایہ کا جو اقتباس ہے وہ بھی صحیح ہے اور اس کا ترجمہ بھی صحیح ہے اسلئے عباسی کی کتاب میں کسی موقع پر پانچ کے ساتھ "صرف" کا اضافہ تحریف کسی طرح نہیں کہا جا سکتا جبکہ اسی کتاب میں حضرت حسینؓ کی عمر کے لئے یہ الفاظ بھی ملتے ہیں "اہل علم جانتے ہیں کہ حضرت حسینؓ کی عمر وفاتِ نبوی کے وقت پانچ برس کے قریب تھی۔" (خلافت معاویہ و یزید صفحہ ۱۴)

(۷) صفحہ ۲۹ پر فرماتے ہیں کہ:-

"سوال (عباسی) کا علجان رفع ہو سکتا تھا اگر وہ تاریخی ریسرچ کے سلسلہ میں کفایۃ الخطیب کی حسب ذیل عبارت بھی پڑھ لیتے جس میں خطیب بغدادی "صحابیت" کے لئے بیس سال کی عمر کی شرط کو رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔"

اس تمہید کے بعد خطیب کی وہ عبارت نقل کی گئی ہے جسے مولانا عباسی صاحب کی "تاریخی ریسرچ" کے نمونے کے لئے تجویز فرما رہے ہیں مگر لطف یہ ہے کہ خطیب کی وہ ساری عبارت ہی دوسرے موضوع سے تعلق رکھتی ہے یعنی علامہ خطیب کا کلام "صحابیت" کے سلسلہ میں نہیں ہے، بلکہ "حدیث کی روایت و سماع" سے متعلق ہے ان کا کہنا صرف یہ ہے کہ حدیث کی روایت و سماع کے لئے جن لوگوں نے بیس سال عمر ہونے کی قید لگائی ہے وہ غلط ہے۔ لیکن ہمارے مولانا بڑی فراخ حوصلگی سے اس عبارت کو روایت حدیث کے سلسلہ موضوع سے علیحدہ کاٹ کر "نفس صحابیت" کے سلسلہ میں سمجھکر انتہائی طمانیت و انشراح کے ساتھ اس کے یہ جملے بھی نقل فرما گئے:-

ولو كان السماع لا يصح الا بعد العشرين لسقطت رواية كثير من اهل العلم سوى من هو في عداد الصحابة ممن حفظ عن النبي صلى الله عليه وسلم في الصغر فقد روى الحسن بن علي بن ابي طالب عن النبي صلى الله عليه وسلم ومولده سنة اثنين من الهجرة (كفاية ص۵۴)

اور اگر (حدیث کی روایت کیلئے) سماعت حدیث بیس ہی برس کی عمر کے بعد معتبر مانی جائے تو بہت سے ان اہل علم کی روایت ساقط الاعتبار ہو جاتی ہے جو حضرات صحابہ کی تعداد کے علاوہ ہیں یعنی جنھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے صغر سنی میں روایتیں محفوظ کی ہیں۔ مثلاً حضرت حسن بن علی بن ابی طالب جنکی پیدائش ۲ھ کی ہے۔

اس عبارت کو اس کے صحیح ترجمہ کے ساتھ (جیسا کہ احقر نے پیش کیا ہے[1]) جو کوئی بھی دیکھے گا وہ لا محالہ مندرجہ ذیل نتائج پر پہنچے گا:-

(الف) یہ عبارت روایت حدیث کے لئے سن و سال کی تحدید و تعیین سے متعلق ہے (ب) اس میں نفس صحابیت کے لئے کسی عمر کی شرط کرنے یا نہ کرنے کا مطلق ذکر نہیں ہے۔

(ج) بیس سال کی عمر کو شرط نہ قرار دینے کا بھی یہ مطلب ہرگز نہیں کہ خطیب اس سلسلہ میں بالکل آزادی اور چھوٹ دے رہے ہیں (د) اس عبارت میں یہ توضیح کہ "اگر بیس سال کی عمر کی قید رکھی جائے گی تو ان اہل علم کی روایت ساقط الاعتبار ہو جائے گی جو حضرات صحابہ کے علاوہ ہیں — مثلاً حضرت حسن بن علیؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے درانحالیکہ ان کی پیدائش ۲ سنہ ہجری کی ہے" حضرت حسنؓ کے

[1] ہماری ناقص رائے میں مترجم صاحب کا ترجمہ درست ہے نہ ندوی صاحب کا۔ کاش شیخ الادب مولانا اعزاز علیؒ زندہ ہوتے تو ہم کہتے کہ اس عبارت کو ان کے آگے رکھا جائے

صحابی نہ ہونے کی ایسی تصریح ہے جس کے بعد اس عبارت کو ان کی صحابیت کے لئے پیش کرنا اور نہ صرف پیش کرنا بلکہ طنز کے ساتھ اس کو عباسی صاحب کی "تاریخی ریسرچ" کے لئے پیوند بنانے کا مشورہ دینا ہر ایک کا کام نہیں ہے، بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مولانا نے مقولہ مشہور "نقل راچہ عقل" کے بالکل خلاف نقل میں بھی عقل سے کام لیتے ہوئے اس عبارت کو اپنے موافق بنا کر نقل فرمایا ہے۔ چنانچہ آپ ان کی کتاب میں اسکا ترجمہ ملاحظہ فرما کر احقر کے ترجمہ سے مقابلہ کیجئے تو یہ گتھی سلجھ جائے گی اور آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ مولانا نے مندرجہ بالا عبارت کے ترجمہ میں "(یعنی وہ حضرات)" کے بعد خطیب کے منشا کے خلاف "صحابہ" کا لفظ قصداً بڑھا دیا۔ کیونکہ بغیر اس کے وہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی صحابیت خطیب کی اس عبارت سے نہیں ثابت فرما سکتے تھے، لیکن تعجب تو یہ ہے کہ مولانا کے خیال میں جب حقیقت یہ ہے کہ حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کی صحابیت ثابت کرنے کے لئے قرآن و احادیث کے دلائل کے علاوہ محدثین کی تصریحات اس قدر موجود ہیں جن کے انکار کی گنجائش نہیں ہے تو سمجھ میں نہیں آتا کہ قرآن و حدیث کی صاف و صریح دلیلوں کو چھوڑ کر دور از کار مفسرانہ و خطیبانہ موشگافیوں کے لئے اپنا زور قلم صرف فرمایا اور کس لئے اس بحث کو اس قدر طول دیا اور عباسی صاحب کی کتاب میں "صرف" کا اضافہ (درحالیکہ وہ کسی عبارت کے ترجمہ میں نہ تھا) خود ان کو تو اس قدر ناگوار ہوا کہ محض "صرف" کے سلسلہ میں سات آٹھ صفحے تحریر فرمائے، مگر جب اپنا موقع آیا تو خطیب کی عبارت کے ترجمہ میں "صحابہ" کا لفظ بڑھا دیا۔ آخر اس تبدیل و تحریف کی کیا ضرورت تھی؟

عباسی صاحب کیلئے پہلے منصوبہ فرض کر کے مولانا نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس سلسلہ میں اس سے زائد کچھ کہنے کی ضرورت نہیں، کیونکہ واقعہ یہی ہے کہ محدثین کے نزدیک صغیر السن افراد کی صحابیت کا مسئلہ اختلافی ہے۔ علاوہ ازیں عباسی صاحب نے نہ تو صحابیت حسین کا انکار کیا ہے اور نہ ان کی نفی صحابیت کا ذکر قصداً کیا ہے، ملاحظہ ہو عباسی صاحب فرماتے ہیں:۔

"اس طرح گو طبقہ کے لحاظ سے بعض نے ان کا شمار صغار صحابہ میں کر لیا ہے مگر ان کبار صحابہ کے مقابلہ میں ان حضرات کو نہیں رکھا جا سکتا۔" (خلافت معاویہ و یزید صفحہ)

اس لئے نفی صحابیت کی منصوبہ بندی کا الزام بھی منصوبہ بندی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ عباسی صاحب ان کو بہر حال (بالفرض محال غیر صحابی مانتے ہوئے بھی) جزو رسول اور پاک باطن، پاک نیت مانتے ہیں اس لئے عباسی صاحب کی تحریر کو خدا و رسول کا معارضہ قرار دینا، اسے "کالائے بد" کا مصداق قرار دینا، اس کی تنقید کے لئے "تخمینی و نظریاتی ریسرچ" کے طنز کا سہارا لینا اگر باطل کوشی نہیں ہے تو حق پوشی کے مرادف ضرور ہے۔ جس کے لئے "جماعت دار العلوم دیوبند" کی یہ عقیدت اور ان کی تحقیقات کا یہ گنج گرانمایہ ہم جیسے عقیدتمندوں کیلئے باعث حیرت و تعجب ضرور ہوگا ع۔

چوں رفض از دیوبند خیزد کجا ماند مسلمانی

(۸) صفحہ ۸۱ پر فرماتے ہیں کہ:۔

"بطور عقیدہ کے اس پر ایمان لانا پڑیگا کہ سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ بوجہ صحابی ہونے کے متقی، عادل، پاکباطن، صاف ظاہر، محبت جاہ و مال سے بری، ہوس اقتدار سے بالاتر اور تمام رذائل نفس سے پاک تھے جو ان مقامین سے نص کتاب و سنت سے دھو دیئے گئے تھے اور اس کی بنا پر ان کی قلبی تطہیر اور رجس و نجس باطن سے پاکی اور بھی زیادہ موکد ہو جاتی ہے کیونکہ خدائے برتر نے اہل بیت کی تطہیر کا خصوصی ارادہ ظاہر فرمایا:۔

إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا ۔	اے نبی کے گھر والو اللہ تعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ تم سے آلودگی کو دور رکھیں اور تمکو پاک صاف رکھیں۔ (سورۂ احزاب رکوع ۴)

اور احادیث صحیحہ اس پر شاہد ہیں جیسا گذرا کہ حضرت

[illegible]

حسینؓ اہل بیت میں شامل ہیں اور اس آیت کے
مصداق میں داخل اور اللھم ھولاء اھل بیتی
فطھرھم تطھیراً میں شامل ہیں"

مولانا نے خدا جانے کیوں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو آیۂ تطہیر کا مصداق ثابت کرنے اور ان کا اہل بیت ہونا قرآن سے بھی منصوص ہونے پر بڑا زور قلم صرف فرمایا۔ اسی بنا پر اس بحث کو صـ۴۲، ۴۳ میں لکھ چکنے کے بعد یہاں پھر دہرایا ہے۔ لیکن افسوس ہوتا ہے کہ عباسی کے خلاف مولانا کی یہ غیرت دینی کس قسم کی تھی جس کی بنا پر وہ اپنی تصنیف میں تحریف وتبدیل مغالطہ ومبالغہ تخلیط وتلبیس سب ہی کچھ کرنے پر آمادہ ہیں۔ چنانچہ اس بحث میں جو کچھ ارشاد فرمایا ہے وہ خاصی تخلیط وتلبیس پر مشتمل ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ یا تو شاید مولانا خود ہی کچھ غلط فہمی میں مبتلا ہیں یا کم سے کم ناظرین ہی کو غلط فہمی میں مبتلا رکھنا چاہتے ہیں۔ اس لئے اس مقام پر ایسی مشکل پیدا ہو گئی جس کو تلبیس سے ممتاز کرنا ذرا دشوار ہے۔ اس اجمال کی تفصیل سمجھنے کے لئے حضرت عمر بن سلمہ رضی اللہ عنہ کی روایت کا ترجمہ پہلے ملاحظہ فرمالیجئے۔ فرماتے ہیں:۔

"انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت الآیہ ام سلمہ کے گھر میں نازل ہوئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہؓ حسن وحسین رضی اللہ عنہا کو بلایا اور ان کو اپنی کملی میں ڈھانپ لیا حضرت علیؓ آپ کے پیچھے کھڑے تھے پھر آپؐ نے فرمایا اللھم ھولاء اھل بیتی فاذھب عنھم الرجس وطھرھم تطھیراً (اے اللہ یہ لوگ بھی تو میرے اہل بیت ہیں ان سے بھی رجس دور فرما دیجئے اور ان کو بھی خوب پاک وصاف فرما دیجئے) حضرت ام سلمہ بولیں "اے اللہ کے نبی میں بھی ان کے ساتھ شامل ہوں" تو آپ نے فرمایا کہ "تم اپنی جگہ پہ ہی رہو تم تو بھلائی پر ہو ہی" (یعنی تم کو تو یہ دولت بغیر مانگے مل چکی ہے اور اس آیت کا اصل مصداق تو تم ازواج ہی ہو) اب سنئے! آیت قرآنی میں اھل البیت کا مصداق صرف امہات المومنین یعنی ازواج مطہرات ہیں کیونکہ قرآن شریف میں اس موقع پر کئی آیات اوپر سے ازواج مطہرات ہی کا ذکر چلا آرہا ہے۔ ہاں چونکہ نزول آیت کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہؓ و حضرات حسنین وعلی رضی اللہ عنہا کو اپنی چادر مبارک میں جمع فرما کر ان حضرات کو بھی "اہلبیت" فرمایا اور انکے لئے بھی اسی تطہیر کی دعا فرمائی جو خدا تعالیٰ کی طرف سے ازواج مطہرات کو بغیر مانگے مل رہی تھی۔ اسلئے اس حدیث کی بنا پر حضرات حسنین کو بھی یقیناً اہلبیت کہا جا سکتا ہے لیکن یہ اطلاق بمصداق حدیث ہوگا بمصداق قرآن نہیں۔ انکو آیت قرآنی کا مصداق قرار دینا مولانا کی جسارت یا تخلیط ہے جسے ان کی شان کو مدنظر رکھتے ہوئے بڑی جسارت کہنا بھی بے جا نہ ہوگا۔

مبحث اوّل سے متعلق معروضات ختم ہوئیں۔ مبحث دوم وسوم سے متعلق معروضات دوسری قسط میں ملاحظہ ہوں (ابوصہیب رومی)

مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم کی اُس کتاب پر تنقید کی دوسری قسط جو انھوں نے محمود احمد عباسی صاحب کی کتاب "خلافت معاویہؓ ویزید" کے رد میں تصنیف فرمائی۔

شہیدِ کربلا اور یزید

از جناب صہیب رومی

(۲)

ص۹۵ پر مہتمم صاحب "دوسرا منصوبہ" کے زیرِ عنوان
فرماتے ہیں کہ:۔

"سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی عزیمت وجرأت اور ہمت وشجاعت قلب کا سب سے بڑا ظہور اسی واقعۂ کربلا سے ہوا ہے کہ جس چیز کو وہ حق سمجھ چکے تھے اسپر جان دیدینی گوارا کی، مگر باطل کے آگے سر جھکانا گوارا نہیں کیا اور باوجود بے یاری ومددگاری یکہ وتنہا باطل کے مقابلہ میں آگئے اور شہادت عظمیٰ کے مقام پر جا پہنچے"۔

مولانا کی یہ عبارت پڑھ کر خدا جانے کیوں اس جگہ اس مشہور شعر کی کمی محسوس ہونے لگتی ہے جو ایسے موقع کے لئے نہایت موزوں خیال کیا جاتا ہے۔ یعنی ؎

سر داد و نداد دست در دست یزید
حقا کہ بنائے لا الٰہ است حسین

اگر مولانا نے اس شعر کو محض اس لئے نظر انداز فرمایا کہ اس میں کوئی جدت نہ تھی تو مولانا کو اپنا یہ پیرا سارا کا سارا نذر فرما دینا چاہئے تھا۔ کیونکہ اس میں حضرات "ذاکرین" و "واعظین" کے رٹے پٹے جملوں کی تکرار محض کے سوا اور کچھ نہیں۔ لطف یہ کہ یہ بحث ایسی ہے جس میں مولانا کو اپنے دعوے کے ثبوت میں قرآن وحدیث سے کوئی مبہم سا اشارہ بھی نہیں مل سکتا۔ اس کے لئے قرآن کو بہر حال صرف تاریخ کیطرف رجوع فرمانا ہوگا، جہاں ان کو حضرت "امام ہمام" رضی اللہ عنہ کی وہ سہ گانہ شرائط بھی ملیں گی جن کو پیش کر دینے کے بعد حضرت کے لئے باطل کے آگے (اگرچہ وہ واقعۃً باطل ہی نہ تھا ورنہ حضرت وہ شرائط پیش ہی نہ فرماتے) سر نہ جھکانے یا حق کے لئے جان دینے کا کوئی سوال ہی نہیں رہ جاتا۔۔۔ باقی رہی شہادت عظمیٰ! تو اس کا سوال اس کے بعد کی چیز ہے۔

اگر راقم الحروف کی گمنامی کے باعث مولانا اسکی معروضات پر توجہ فرمانے کے لئے تیار نہ ہوں تو کوئی مضائقہ بھی نہیں، احقر کے لئے یہ بات کچھ کم ابتہاج ومسرت کا باعث نہیں ہے کہ مولانا کے جدِ بزرگوار حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کو تسلیم فرمانے کے لئے بالکل تیار ہیں جیسا کہ ہمارے مولانا اپنی کتاب "شہید کربلا اور یزید" کے ص۹۹ و ۱۰۰ پر ان سے نقل فرما رہے ہیں، بلکہ ان کے حکیمانہ جملوں کو قرآن وحدیث کے اصول اور ائمہ ہدایت کے کلام کا نچوڑ قرار دے رہے ہیں۔

ملاحظہ ہو حضرت نانوتوی فرماتے ہیں:۔

وازیں ہم درگذشتیم اگر موجبات جہاد نبود ند او شاں نیز از تصدی جہاد باز آمدہ بسوئے استند کہ براہ خود روند لشکریان یزید پلید نگذاشتند و محاصرہ کردہ ظلماً شہید ساختند من قتل دون عرضہ ومالہ فھو شہید۔ (شہید کربلا اور یزید ص۹۹ و ۱۰۰)	ہم اسے بھی چھوڑتے ہیں اگر موجبات جہاد بھی موجود نہ تھے تو حضرت امام بھی تو جہاد سے رُک کر یہ چاہتے تھے کہ انکا راستہ نہ روکا جائے وہ یہاں سے کہیں بھی نکلجائیں انھیں نکل جانے دیا جائے مگر یزید پلید کے فوجیوں نے انھیں نہ چھوڑا ان کے راستے روک لئے گھیرے میں لیکر شہید کر دیا تو (نص حدیث) جو اپنی آبرو اور مال بچاتا ہوا مارا جائے وہ شہید ہے (تو اس شہادت میں حرف زنی کی گنجائش کیا ہے)

+ + + +

+ + + +

اب مولانا خود فیصلہ فرمائیں کہ اس طرح "شہادت عامہ" ثابت کرنے کے بعد اُس بلند بانگ "شہادتِ عظمیٰ" کے دعوے کا کیا حشر ہوا اور ایسی صورت میں واقعۂ کربلا کو سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی عزیمت وجرأت اور ہمت وشجاعت قلب کا مظہر آپ کس طرح قرار دیں گے۔ کیونکہ حضرت نانوتوی علیہ الرحمہ تو حضرت "امام" کے لئے "تصدی جہاد" (قصد جہاد) سے رجوع فرمانے کا اقرار فرمارہے ہیں۔ آخر یہ تضاد بیانی کیوں ہے، پھر یہ بھی نہیں کہ اتفاقاً ایک جگہ ہوگئی ہو، بلکہ اس کی مثالیں اور بھی موجود ہیں جیساکہ آئندہ اپنے موقع پر آتی رہینگی۔ معلوم ہوتاہے کہ مولانا نے بھی اپنے "نظریہ ومنصوبہ" کی تائید میں جس کتاب کا جو بھی ٹکڑا پایاہے اسے اس کے موقع پر فٹ کر دیاہے۔ اب یہ بات دوسری ہے کہ ان کو آپس میں ملانے سے کسی قسم کا تضاد پیدا ہو جائے۔

(۱۰) اسی ص۴۳ پر فرماتے ہیں کہ:-

"لیکن اسی کو عباسی صاحب نے "بغاوت" کا عنوان دے کر ان کا سب سے بڑا عیب شمار کرانے اور اس اونچی حسنہ کو قرآن وحدیث اور اجماع صحابہ کے خلاف ایک نیچی قسم کی سیئۃ دکھلا کر داغدار بنانے کی سعی کی ہے۔"

چند سطروں کے بعد:-

"لیکن اس سلسلہ میں جہاں تک الزام بغاوت یا نفی شہادت کا تعلق ہے اس کے بارے میں سلف اور متقدمین کا جو کچھ نقطۂ نظر ہے اس کے لئے ملا علی قاری شرح مشکوٰۃ شریف کی یہ ایک ہی عبارت کافی ہوسکتی ہے جو علاوہ مؤثق نقل ہونے کے اہلِ سنت والجماعت کا عقیدہ بھی ہے ـــ شرح فقہ اکبر میں تحریر فرماتے ہیں:-

واما ما تفوہ بعض الجہلۃ من ان الحسین کان باغیا فباطل عند اہل السنۃ والجماعۃ ولعل ہذا من ہذیانات الخوارج الخارجۃ عن الجادۃ (شرح فقہ اکبر ص۸۷)	اور یہ جو بعض جاہلوں نے افواہ اُڑا رکھی ہے کہ حسینؓ باغی تھے تو وہ اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک باطل ہے۔ شاید یہ خوارج کے ہذیانات ہیں جو راہِ مستقیم سے ہٹے ہوئے ہیں۔" (شہید کربلا اور یزید ص۶۶)

سمجھ میں نہیں آتا کہ مولانا کی اس جوابدہی کو "سوال از ریسماں جواب از آسماں" سے کس طرح ممتاز کیا جائے؟ ملا علی قاری نے حضرت حسینؓ کے باغی ہونے کو خوارج کے ہذیانات کا نتیجہ بتایا ہے، مگر مولانا اس سے عباسی صاحب پر بھی الزام قائم کرتے ہوئے ان کو بھی اس جرم میں خارجی گردانا چاہتے ہیں کہ انھوں نے بعض اقوال صحابہ اور عبارات مؤرخین سے نقل کرتے ہوئے حضرت امام کے لئے لفظ "خروج" استعمال کیا تھا، حالانکہ یہ لفظ خود ہمارے مولانا نے بھی ابن خلدون اور شاہ عبدالعزیزؒ کے کلام میں نقل فرمایا ہے، لیکن بتقاضائے انصاف غالباً یہ فرق مولانا نے ملحوظ رکھا ہے کہ خود مولانا کی کتاب میں جہاں جہاں "خروج" کا لفظ آئے تو وہ اُونچی قسم کی حسنہ ہے اور جہاں جہاں عباسی صاحب نے نقل کیا ہے وہاں ایک نیچی قسم کی سیئۃ اور بغاوت کا مرادف ہے۔ حالانکہ عربی کا ایک معمولی طالب علم بھی "خروج وبغاوت" کے درمیانی فرق سے اچھی طرح واقف ہے وہ جانتا ہے کہ "خروج" ایک ایسا لفظ ہے جو محمل حسن اور محمل قبیح دونوں میں مستعمل ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے لئے جس کسی نے بھی یہ لفظ استعمال کیا ہے محل حسن میں استعمال کیا ہے بخلاف لفظ بغاوت کے کہ اس کا محمل عام طور پر قبیح ہی ہے جیساکہ قرآن شریف کے غیر باغٍ ولا عادٍ کی تفسیر میں کہا گیا ہے۔ لہذا ملا علی قاری کی عبارت کا مطلب صرف اس قدر ہوا کہ "حضرت حسینؓ کو باغی (خواہش نفس کا پیرو) کہنا خوارج کے ہذیانات سے ہے۔ ظاہر ہے کہ اس عبارت کی معمولی سی زد بھی عباسی صاحب پر نہیں پڑتی، کیونکہ انھوں نے بغاوت کا الزام حضرت حسینؓ کے سر لگایا ہی نہیں۔ ہاں خروج کا لفظ ضرور استعمال کیا ہے سو اگر اس کے استعمال کی ممانعت میں بھی کوئی دلیل ہو تو اسے پیش فرمانا چاہئے مگر وہ کس طرح ممکن ہے جبکہ واقعہ یہ ہو کہ ع

این گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند

الغرض یہ حشر ہوا ملا علی قاری کی اس عبارت کا جسکو موثق
نقل اور عقیدۂ اہل سنت فرما کر ناظرین کو زبردستی مرعوب فرمانیکی
"غیر طیب" کوشش کی گئی تھی۔

(۱۱) صـ۲۶ـــ پر فرماتے ہیں کہ:۔

"عباسی صاحب نے حضرت حسینؓ پر "بغاوت" کا جرم
عائد کرنے کے لئے تاریخی نقل اور وہ بھی دوزی کی پیش کی
بھی حالانکہ یہ نقل اگر مسلم مؤرخین کی بھی ہوتی تب بھی
عقیدہ اور متکلمانہ نقل کا مقابلہ نہیں کرسکتی تھی جس پر
عقائد کی بنیاد رکھی جاتی ہے۔"

جادو وہ جو سر پہ چڑھ کے بولے۔ آخر مولانا کے قلم سے بھی
(جو تغیر الفاظ اور تبدیل معانی کا بُری طرح خوگر تھا) یہ حقیقت
ٹپک ہی پڑی کہ عباسی صاحب نے بذاتِ خود بغاوت کا لفظ اپنی تحریر
میں استعمال نہیں کیا، بلکہ ایک غیر مسلم ڈوزی کے اقتباس میں یہ لفظ
مستعمل ہوگیا ہے جسے پڑھ کر مولانا کی غیرتِ دینی اس درجہ مشتعل
ہوگئی کہ اس ایک لفظ کی تردید کے لئے تقریباً ۳۰ صفحات تصنیف
فرما دیئے ورنہ خروج کا استعمال تو ان کے لئے قابل برداشت تھا۔

اس موقع پر مولانا نے اپنی عبارت میں "عقیدہ" کے ساتھ
"متکلمانہ نقل" کا بھی ایک "ذنابہ" (دُم چھلا) استعمال فرمایا ہے
ناظرین نے شاید اس طرف توجہ نہ فرمائی ہوگی کہ اس کی کیا وجہ ہے
سنئے! اس کی وجہ یہ ہے کہ مولانا لفظ "عقیدہ" کے مفہوم اور اس کے
وزن سے ناواقف نہیں ہیں ان کو اس کا صحیح اندازہ ہے کہ وہ اپنی
تحریر میں ایسی غیر بنیادی باتوں کو عقیدہ کہہ کر لوگوں کو مرعوب و
خائف تو کرسکتے ہیں مگر واقعۃً اس کو عقیدہ ثابت نہیں کرسکتے
اس لئے انھوں نے پیش بندی کے طور پر عقیدہ کیساتھ متکلمانہ
نقل کا ذنابہ بھی چھوڑ دیا تاکہ ثبوت کے وقت اگر وہ عقیدہ ہونیکا
ثبوت فراہم نہ فرما سکیں (اور ظاہر ہے وہ ایسا نہ فرما سکیں گے)
تو کم از کم کوئی متکلمانہ نقل تو پیش ہی کردیں گے جس کیلئے "تفتازانی"
جیسے متکلمین ان کو مل جائیں گے جن کے کلام میں ملا علی قاری کو "رفض"
کی بو محسوس ہوئی اور انھوں نے فرما دیا فیہ رائحۃ من الرفض
(اس میں رفض کی بو بری طرح محسوس ہوتی ہے)۔

(۱۲) چند سطروں کے بعد اسی صـ۲۶ـــ پر فرماتے ہیں کہ:۔

"حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو "باغی" کہنے کا منصوبہ
اس خیال پر مبنی ہے کہ یزید خلیفہ برحق تھا اور اس کی
حقانیت کی سب سے بڑی دلیل یہ ظاہر کی گئی ہے کہ
صحابہؓ کی اکثریت نے اس کے ہاتھ پر بیعت کرلی تھی جو
خلیفہ کے حسن کردار کی دلیل ہے درحالیکہ یہ مقدمات
بھی جہالت پر مبنی ہیں۔"

اس عبارت میں باغی کا لفظ دہرا کر ناظرین کے جذبات
کو برانگیختہ کرنے کی غیر طیب کوشش کا اعادہ فرمایا گیا اور اس کے
ساتھ ساتھ یزید کے خلیفہ برحق ہونے پر اکثریت صحابہ کی بیعت
کے دلیل بنانے کو جہالت پر مبنی گردانا گیا ہے، لیکن ہم کو سخت
صدمہ ہوتا ہے اور دیوبند کی سابق روایات کی مٹی پلید ہوتے
دیکھ کر خون کے آنسو بہانے کو جی چاہتا ہے کہ افسوس اس قلیل مدت
میں یہ ادارہ کس قدر سخت انقلاب سے دوچار ہوگیا ہے

صد سالہ دور چرخ تھا ساغر کا ایک دور
ہم میکدے سے نکلے کہ دنیا بدل گئی

مقام حیرت ہے کہ جس وقت مولانا عباسی پر تنقید کی نیت
فرمالیں اس وقت تو ایک "مقدمۂ دلیل" جہالت پر مبنی نظر آئے
اور جب اپنی تائید کا قصد فرمائیں تو وہی مقدمۂ دلیل استشہاد
کا سب سے زیادہ مؤثر، کامیاب اور محققانہ طریق کار ہوجائے۔
مثال کے لئے یہی مندرجہ بالا اقتباس ملاحظہ ہو، اس میں عباسی صاحب

کی دلیل کے مقدمات کو ہمارے مولانا جہالت پر مبنی قرار دے رہے ہیں، لیکن اسی قسم کے ایک دوسرے موقع کیلئے فرماتے ہیں:-

"حضرت حسین رضی اللہ عنہ "اپنی فضیلت" اور "حق" کو ثابت کرنے کے لئے معرکۂ کربلا میں مذکورہ عبارت[1] جلیل القدر صحابہ کے نام بطور شاہد پیش کر رہے ہیں ظاہر ہے کہ اس دور میں دلائل کا طرز منطقیانہ نہیں تھا، بلکہ استشہاد کا سب سے زیادہ مؤثر، کامیاب اور محققانہ طریقہ یہی تھا کہ کسی دعوی کے لئے صحابہ رض کو شہادت میں پیش کر دیا جائے، یہی طریقہ حدیث کی روایت تک کو قابل قبول سمجھنے کے لئے رائج تھا جس پر پورے دین کا مدار ہے۔" (صـ۸)

آخر اپنی اس دورُخی حکمت عملی کے لئے مولانا کیا لفظ پسند فرمائیں گے؟ کیا بقول آپ کے یہ "نظریاتی ریسرچ" نہیں ہے؟ اگر ہے اور یقیناً ہے تو اس کے لئے مولانا کے پاس وجہ جواز اس کے سوا کیا ہو سکتی ہے کہ ع ہے مسلّم میرا فرمایا ہوا۔ یا بقول سموأل ے

وننکر ان شئنا علی الناس قولھم
ولا ینکرون القول حین نقول

(ہم اگر چاہیں تو لوگوں کی بات کا انکار کر دیں لیکن لوگوں کی مجال نہیں کہ وہ انکار کر سکیں ہماری بات کا

غالباً اسی قسم کا جذبہ ہے جو مدعیانِ جماعت دار العلوم دیوبند کے دماغوں میں بھی پیدا ہو گیا ہے جس کی بناء پر وہ اپنے آپ کو ہر قسم کی آزادی اور "چھوٹ" کا مستحق خیال کرتے ہیں۔[2]

دوسری ایک بات اور ہے جو مولانا کے صـ۸ کے اقتباس میں محل غور اور وجہ تامل ہے وہ یہ کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا اپنی فضیلت پر صحابہ کرام رض سے استشہاد کیا امر واقعی ہے۔

درحالیکہ ان حضرات کے نفوسِ قدسیہ ہر طرح مصفّٰی و مجلّٰی اور مطہر و مزکّٰی تھے۔ تو کیا ان سے یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ یہ حضرات بھی آج کل کے "الیکشنی امیدواروں" کی طرح اپنے اوصاف و فضائل شمار کراتے ہوں گے اور گویا اپنے مفاخر و مفاضل پر مشتمل اپنا ذاتی قصیدہ پڑھتے ہوں گے، نہیں ہرگز نہیں ان حضرات سے ہرگز ایسی توقع نہیں ہے۔ بس یہ تو ہو سکتا ہے کہ حضرت علی رض و حضرت حسن رض کی سلسلہ وار موروثی قسم کی خلافت کو دیکھ کر ان کو کچھ ایسا خیال پیدا ہوا ہو کہ یہ خلافت میرا حق ہے، جب کہ کوفیوں کے بے شمار خطوط نے ان کے اس خیال کو پختہ کرنے میں کوئی کسر بھی باقی نہیں رکھی مگر یہ بات قرین قیاس نہیں ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ صحابہ رض کو گواہ بنا کر اپنے مفاخر و مفاضل شمار کرانے لگے ہوں گے۔ باقی رہی یہ بات کہ اگر ایسا نہیں ہوا تو ابن خلدون نے کس طرح نقل کر دیا۔ اس کی وجہ یہ سمجھ میں آتی ہے کہ مصنوعی روایات کے کاریگروں نے جب پچھلی تاریخ پر نظر ڈالی تو ان کو شہادت عثمان رض مظلوم کے موقع پر اسی قسم کی ایک چیز یہ ملی کہ انھوں نے بھی اس وقت کے موجودین کو گواہ بنا کر "بیر رومہ" سے اپنا خصوصی تعلق و استحقاق ظاہر فرمایا تھا یا حضرت محمد بن ابی بکر کی دست درازی پر اپنی مسنون داڑھی کی فضیلت کا اظہار فرمایا تھا۔ بس پھر کیا تھا یار لوگ اسے لے اُڑے اور سیدھے میدانِ کربلا میں آکر دم لیا اور آخر کار اسی قسم کے جملے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی زبان سے بھی ادا کرا دیئے تاکہ اس "حزنیۂ کربلا" میں بھی اس "حزنیۂ دیارِ رسول" کا سماں پیدا ہو جائے۔

(۱۳) صـ۵۳ پر فرماتے ہیں کہ:-

"جہانتک اربابِ تحقیق مؤرخین کی تحقیق و روایت کا تعلق ہے انھوں نے اکثریت صحابہ کی بیعت اور بیعت کے بعد یزید کے خلاف خروج نہ کرنے کو قطعاً یزید کے مستحق خلافت ہونے کی دلیل نہیں سمجھا اور نہ ہی اس سے یزید کے فسق و فجور کو ہلکا یا غیر واقعی باور کرانے کی کوشش کی، بلکہ ان کے نزدیک صحابہ کرام رض کی اکثریت کی یہ بیعت اور یزید کے خلاف نہ اُٹھنا خوفِ فتنہ

[1] مطلب یہ ہوا کہ ایک طرف تو [illegible] صاحب سے نزدیک اکثر صحابہ کی بیعت یزید پوری [illegible] اور دوسری طرف حضرت حسین [illegible] ان اصحاب کا نام بطور [illegible] ... انا للہ وانا الیہ راجعون ×

مابین نزاع، جدال اور آپس کے خون سے بچنے کے لئے
تھا جو اس صورت میں یقینی تھا۔"

مولانا نے اپنے مذکورہ بالا دعوے کے ثبوت میں متعدد
عبارات بھی نقل فرمائی ہیں جن میں سے کچھ حوالے ابن خلدون کے
بھی ہیں اور یزید کا فسق ثابت کرنے کے لئے اس بحث کو ۱۰۲ صفحات
تک پہنچا دیا ہے۔ یعنی اس بحث کے حصّہ میں ۲۵ صفحات آئے ہیں
لیکن اس تطویل و تفصیل کے باوجود یہ بحث مندرجہ ذیل امور کے
دنی ذکر سے بھی خالی ہے اور مولانا کی یہ خاموشی غمازی کر رہی ہے
ع کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

(الف) فسق یزید کی تفصیل (با وجودیکہ یہ لفظ ان ۲۵ صفحات
میں کم از کم سو مرتبہ تو استعمال ہوا ہوگا) مطلق نہیں پیش فرمائی
کہ یزید کا فسق کس قسم کا تھا۔

(۱) کیا یزید شراب پیتا تھا؟ (۲) یا یزید مرتکب زنا ہوا
کرتا تھا؟ (۳) یا نماز روزہ کا تارک تھا؟ وغیرہ وغیرہ۔

حالانکہ مولانا اگر تلاش فرماتے تو غالباً ان کو بھی یہ تفصیل شاید
ابن خلدون ہی میں مل جاتی کہ یزید کا فسق کوئی شرعی و اصطلاحی
اور اتفاقی فسق نہ تھا بلکہ ایک طرح کا عرفی و معاشرتی غیر شرعی
فسق تھا جو اس "دور صلاح اور خیر القرون" کے صالحین کے لئے
نامناسب اور خلاف اولیٰ ہونے کے باعث بعض حضرات کے
نزدیک قابل انکار تھا (جیسا کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ
کے نزدیک مطلقاً "جمع مال" قابل انکار تھا) ورنہ سب حضرات
یزید کو فاسق نہیں سمجھتے تھے یہی وجہ ہے کہ بعض جلیل القدر حضرات
صحابہ تک سے یزید کی نیکوکاری کی شہادتیں بھی منقول ہیں چنانچہ
حبر الامۃ ترجمان القرآن حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ
کا یہ ارشاد انساب الاشراف بلاذری میں منقول ہے:۔

ان ابنہ یزید لمن صالحی اہلہ فالزموا مجالسکم و اعطوا طاعتکم و بیعتکم۔	بیشک معاویہ کا فرزند یزید اپنے خاندان کے نیکوکاروں میں ہے تم لوگ اپنی اپنی جگہ بیٹھے رہنا، اطاعت کرنا، بیعت کر لینا۔ (خلافت معاویہ و یزید ص ۴۱ و ۴۲)

اسی کے قریب قریب "الامامۃ والسیاسۃ" سے بھی عباسی
صاحب نے نقل کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ قسم کھا کر
فرماتے ہیں کہ "واللہ معاویہؓ کا فرزند (یزید) اپنے گھرانے کا
"بہترین فرد ہے"۔ (خلافت معاویہ و یزید ص ۴۲)

اسی طرح سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے بھائی حضرت محمد
بن الحنفیہ نے بھی یزید کی صلاح کاری، تقویٰ شعاری، صوم و
صلوٰۃ کی پابندی اور سنت نبوی کی پیروی کا ذکر ان الفاظ میں
کیا ہے:۔

وقد حضرتہ (یزید) و اقمت عندہ فرأیتہ مواظباً علی الصلوٰۃ متحریا للخیر یسأل عن الفقہ ملازما للسنۃ (البدایہ ج ۸ ص ۲۳۳ بحوالہ خلافت معاویہ و یزید ص ۴۳)	اور میں یزید کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں ان کے پاس میں نے قیام کیا ہے تو ان کو میں نے نماز کا پابند نیک کاموں کی فکر رکھنے والا مسائل فقہ دریافت کرنے والا، سنت کا التزام کرنے والا پایا ہے۔

(ب) یزید کے فسق پر حضرات صحابہ و تابعین رضوان اللہ علیہم
اجمعین کی شہادت مطلق نہیں پیش کی گئی غالباً اس سلسلہ میں بخاری
شریف وغیرہ میں اقوال صحابہ مولانا کو میسر نہ آسکے ورنہ اگر یزید
کے خلاف بعض تاریخی حوالوں کے سوا احادیث سے بھی کوئی سند و
شہادت دستیاب ہوتی تو اسے ہرگز نظر انداز نہ فرماتے، کیونکہ
مولانا ان مباحث کو تاریخی پہلو کے مقابلہ میں دینی پہلو سے
زیادہ دیکھنا چاہتے ہیں اور روایات کے ہوتے ہوئے قیاسات
تاریخی کو اہمیت نہیں دے سکتے (اور جو چند عبارتیں مولانا نے
"یزید اور اس کا کردار" کے زیر عنوان نقل فرمائی ہیں ان کے
بارے میں اسی موقع پر آئندہ صفحات میں عرض کیا جائے گا)۔

(ج) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی پوزیشن سے قطعاً
بحث مولانا نے نہیں فرمائی کہ آخر انھوں نے کس بناء پر یزید کو
ولی عہد تجویز کیا اور حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی
حالتِ ایمانی کیا ہو گئی تھی، جنھوں نے یزید کو ولی عہد بنانے کا
مشورہ دیا۔ شاید مولانا نے اس سلسلے میں خاموشی ہی مفید سمجھی
حالانکہ اس سلسلے میں عباسی صاحب کا بنیادی نقطہ نظر حضرت
امیر معاویہؓ اور دوسرے تمام صحابہ کی پوزیشن ہی کو صاف کرنا
تھا اور یہ صفائی یزید کی صفائی کے بغیر کچھ دشوار تھی جسے انھوں نے
کافی حد تک تاریخی حوالوں اور عقلی قیاسوں سے ثابت بھی کر دیا۔

(د) آخری چیز جس سے مولانا کا یہ مبحث خالی ہے وہ عباسی صاحب کے ان حوالوں کی تردید ہے جن سے عباسی صاحب نے یہ ثابت کیا ہے کہ عام طور پر صحابہ کرام بیعتِ یزید پر متفق تھے، بلکہ بعض حضرات تو سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو ان کے اسی اقدام سے سخت الفاظ میں باز رکھنے کی کوشش بھی کر رہے تھے (ملاحظہ ہو خلافت معاویہ و یزید صفحات ۶۸ تا ۷۳) اور جس قدر جواب مولانا نے مرحمت فرمایا ہے وہ قطعی اطمینان بخش نہیں ہے، کیونکہ ان میں سے کچھ حوالے یا تو ابن خلدون کی نا تمام عبارتیں ہیں جن سے یہی پتہ نہیں چلتا کہ یزید کا یہ فسق کس قسم کا تھا اور یہ کب حادث و ظاہر ہوا۔ شاید ان کا مفہوم یہ ہے کہ یہ دعویٰ کہ وہ فسق اس کی ولیعہدی کے وقت تک نہ تھا بعد کو حادث و ظاہر ہوا۔ اور یا کچھ وہ عبارتیں ہیں جو حضرت شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلویؒ اور مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کی تحریرات سے ماخوذ ہیں جن کی بناء پر مولانا نے اپنی کتاب کو جماعت دار العلوم دیوبند کے متفقہ مسلک کا ترجمان گردانا ہے۔ مگر افسوس کہ ان عبارتوں کی حیثیت بھی ایک توجیہ سے قطعاً زائد نہیں ہے جس کا بنیادی نقطہ بھی وہی جذبۂ تبریۂ و تزکیۂ صحابہ ہے جس نے عباسی کو ان حوالہ جات اور ان کے ایسے واضح نتائج تک راہ دکھائی۔ فرق صرف یہ ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ یا حضرت نانوتویؒ کے سامنے نہ تو آسانی سے یہ کتب فراہم ہو سکیں اور نہ ان کو اس میں ایسی کاوش کی ضرورت ہی محسوس ہوئی اس لئے بالکل سرسری اور سطحی طور پر غور فرما کر ان حضرات نے صرف حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس آلودگی سے پاک دامن رکھنے کی کوشش کی (کیونکہ صحابی رسول ہونے کی بناء پر ان کی صفائی ضروری تھی) یزید کے بارے میں تأمل کی کوئی ضرورت نہ تھی اس لئے یہ توجیہ بالکل سامنے کی بات تھی کہ اس کا فسق حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حادث و ظاہر ہوا۔ چلئے بات ختم ہوگئی۔ اب عباسی کا قصور صرف یہ ہے کہ انھوں نے اس توجیہ کو عقیدہ و نص کا درجہ کیوں نہیں دیا اور اپنی تحقیق و کاوش کو اس خط سے آگے کیوں بڑھا دیا جو اکابر

دار العلوم نے کھینچ دیا تھا، حالانکہ جن حضرات نے اُن اکابر کی تمام تحریرات کا غائر مطالعہ کیا ہوگا ان پر یہ حقیقت اچھی طرح روشن ہو چکی ہوگی کہ یہ حضرات (اہل حق، حق پسند، حق پرست، حق کوش ہونے کے باوجود) سبائی پروپیگنڈہ اور شہرت عام کے چلتے ہوئے جادو سے کسی نہ کسی درجہ میں متاثر بھی ہو جاتے تھے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:۔

(۱) حضرت شاہ صاحب محدث دہلوی کی جو عبارت مولانا نے اپنی کتاب کے صـ۸۶ پر نقل فرمائی ہے ملاحظہ فرمائیے تحریر فرماتے

خروج امام حسین علیہ السلام بنابر دعوائے خلافت راشدہ؟ پیغامبر کہ بر و رسی سال منقضی گشت نبود بلکہ بنابر تخلیص رعایا از دست ظالم بود و اعانۃ المظلوم علی الظالم من الواجبات۔	امام حسین علیہ السلام کا یزید کے خلاف کھڑا ہونا دعوائے خلافت راشدہ پیغمبر کی بنا پر نہ تھا جو تیس سال گذرنے پر ختم ہو چکی تھی بلکہ رعایا کو ایک ظالم (یزید) کے ہاتھ سے چھڑانے کی بناء پر تھا اور ظالم کے مقابلہ میں مظلوم کی اعانت واجبات دین میں سے ہے (شہید کربلا و یزید صـ۸۶)

اس عبارت میں حضرت شاہ صاحبؒ نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے لئے "امام" اور "علیہ السلام" کا استعمال فرمایا ہے جو خالص سبائی و رافضیانہ ذہنیت پر مبنی ہے۔ نیز اس میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے خروج کو بھی واجبات دین سے قرار دے کر در پردہ دوسرے حضرات کو جو حضرت حسینؓ کے خیال و قتال میں شریک نہ تھے دین کے واجب کا تارک مانا ہے (کیا روافض کا تبرا کچھ اس سے زائد مختلف ہوتا ہے) دوسری بات اس اقتباس کے متعلق یہ بھی عرض کرنی ہے کہ شاہ صاحب کا یہ کلام مولانا نانوتوی علیہ الرحمۃ کے اس کلام سے متعارض ہے جو گذشتہ صفحات میں نقل بھی ہو چکا ہے جس میں حضرت نانوتویؒ نے قتال حسینی کو جہاد نہیں مانا ہے "بلکہ تنگ آمد بجنگ آمد" کے مصداق شہادتِ اضطراری نقل کیا ہے۔

(۲) حضرت نانوتوی علیہ الرحمۃ کی جو عبارت مولانا کی کتاب کے صـ۹۹ پر نقل ہے اس میں بھی سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے لئے "امام" اور "علیہ السلام" کا استعمال موجود ہے۔ اسی طرح یزید کے نام کے ساتھ "پلید" کا قافیہ بھی باندھا گیا ہے۔ حالانکہ بقول مولانا "نہ ہی ان لعنت ثابت کرنے والوں کا منشا یزید کی لعنت کو بطور

طیف کے پیش کرنا ہے۔" تو اب ایسی صورت میں حضرت نانوتوی لیہ الرحمۃ کی اس جراحت قلم کو پروپیگنڈے کی تاثیر ہی پر محمول رنا پڑے گا۔

(۳) اسی طرح خود ہمارے حکیم الاسلام کی تحریر میں بھی جا بجا امام" یا "امام ہمام" کا استعمال ہوا ہے جن کو احقر نے بھی وادین ے ساتھ "عطائے تو بہ لقائے تو" کے طور پر استعمال کیا ہے۔ اگر ولانا اپنے لئے یا ان اکابر کے لئے ایسے الفاظ کا استعمال اسلئے ائز تصور فرمائیں کہ ان کی نیت ان کے استعمال کے وقت وہ نہیں وتی جو سبائی و روافض کی ہوتی ہے تو ایہام ناجائز سے تو کسی رح مفر نہ ہوگا جس کے لئے آیۃ وَلَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا نظُرْنَا صاف موجود ہے۔

(۴) اسی شہرت عام اور طریقہ رائجہ سے متاثر ہونیکی مثال ہ مشہور واقعہ بھی ہے کہ دہلی کے اس مشہور علمی خاندان میں سلام مسنون کا رواج نہ تھا بلکہ طریقہ سلام یہ تھا کہ عبدالعزیز تسلیمات عرض کرتا ہے یا عبدالقادر تسلیمات عرض کرتا ہے۔ بعد میں حضرت سید احمد شہید علیہ الرحمہ کی بدولت اس مردہ سنت کا احیاء ہوا اور طریق مسنون پر سلام کا رواج ہوا ؎

شورشِ عندلیب نے روح چمن میں پھونک دی
ورنہ یہاں کلی کلی مست تھی خوابِ ناز میں

(۵) اسی قبیل سے حضرت گنگوہی علیہ الرحمہ کی وہ دو متعارض عبارتیں ہیں جن میں پہلے تو محمد بن الوہاب نجدی کے بارے میں لا علمی کا اظہار فرمایا اور پھر اس کے حنبلی ہونے کی شہرتِ عام کی بناء پر اس کے عقیدے کا عمدہ ہونا بھی بیان فرما دیا چنانچہ بعد کی تحقیقات نے یہ حقیقت اچھی طرح واضح بھی کر دی۔ (فتاوی

(۶) ذخیرۂ کتب موجود نہ ہونے کی وجہ سے تو اکابر نے بعض اوقات بعض سنتوں تک پر بھی عمل نہیں فرمایا۔ ملاحظہ ہو مرزا مظہر جانجاناں رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک مکتوب میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق فارسی میں تحریر فرماتے ہیں جس کا ترجمہ پیش ہے:۔

"اور حضرت مجدد صاحب کا (نماز میں) یہ انگلی نہ اٹھانے کا قول ان کے اجتہاد کی وجہ سے ہے (لیکن) غیر منسوخ سنت مجتہد کے اجتہاد پر مقدم ہوتی ہے انگلی نہ اٹھانے کو محض اس دلیل سے سنت (سمجھنا اور) ثابت کرنا کہ حضرت مجدد صاحب نے اسے نہیں کیا ہے کوئی عقل کی بات نہیں۔"

پھر چند سطروں کے بعد فرماتے ہیں کہ:۔

"پس امید ہے کہ اس اجتہادی مسئلہ کے نہ کرنے پر اور صحیح احادیث کو اختیار کر کے اس کے مطابق عمل کرنے پر حضرت مجدد صاحب (عالم برزخ میں) ناخوش نہ ہوں گے۔ اگر آپ کہیں کہ حضرت مجدد صاحب اس قدر علم وسیع رکھنے کے باوجود کیونکر ممکن ہے کہ (نماز میں) انگلی اٹھانے کے ثبوت کی حدیثوں سے ناواقف رہے ہوں تو میں جواب میں کہونگا کہ حضرت مجدد صاحب کے زمانہ تک اس قدر کتابیں اور رسالے اس ملک ہند میں مشہور نہیں ہونے پائی تھیں اور آپ کی نظر مبارک سے ثبوت کی احادیث نہیں گذریں۔ اسی وجہ سے انھوں نے انگلی اٹھانا چھوڑ دیا۔" (رسالہ الاحسان جلد ا نمبر ۱۱ بحوالہ ثمرات الاوراق - مصنفہ مفتی محمد شفیع صاحب)

ان نصف درجن مثالوں سے یہ امر اچھی طرح ثابت ہوگیا کہ اکابر کی تحقیقات و تحریرات نظر ثانی سے بے نیاز نہیں ہوتیں اور حضرت شاہ صاحب دہلویؒ ہوں یا حضرت مولنا قاسم صاحب نانوتویؒ، کسی کی تحریر کو "حرفِ آخر" نہیں کہا جا سکتا۔ علاوہ ازیں یہ حرف آخر کی تعبیر تو ایک طرح کی بدفالی اور بد دعا پر مشتمل معلوم ہوتی ہے یا بالفاظ دیگر یوں کہئے کہ یہ بھی نعوذ باللہ کوئی نبوت کے قسم کی چیز ہے جو ختم ہوگئی اب آئندہ کوئی امکان باقی نہیں رہا۔ اگر مولوی سالم صاحب یہ الفاظ ملاحظہ فرمائیں تو معاف فرمائیں کہ انھوں نے بھی کتاب "شہید کربلا اور یزید" کو حرفِ آخر فرما دیا ہے۔

(۱۴) صـ۱۳ پر فرماتے ہیں کہ:۔

"تاریخ ہی سے یہ بھی سن لیجئے کہ محمد بن الحنفیہ نے بھی نہ صرف یہ کہ حضرت امامؓ کے اس اقدام کو برا یا ناجائز ہی نہیں سمجھا بلکہ حضرت حسینؓ کو اس سے

روکا بھی نہیں، حتیٰ کہ اس کی تدبیر بھی بتلائی۔"

مولانائے محترم! سننے کو تو یہ بھی سن لیا مگر صرف سننے سے کہیں کام چلتا ہے، اس کے لئے تو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ اور آپ سمجھنے سمجھانے کے لئے بالکل تیار نہیں ہیں ورنہ عباسی صاحب نے اس موقع پر جو دلیل پیش کی تھی اس کا کچھ جواب بھی مرحمت فرماتے۔ اس طرح کوئی خاک سمجھے گا کہ آپ نے ایک حوالہ پیش کیا جس سے یہ ظاہر فرمایا کہ حضرت محمد بن حنفیہ حضرت حسینؓ کے اقدام کو صحیح خیال فرماتے تھے اور یزید کے خلاف خروج کو حق بجانب مانتے تھے اور عباسی صاحب نے انھیں محمد بن حنفیہ کی زبانی ان کی عینی شہادت سے یزید کو نیکوکار ثابت کیا۔ انساب الاشراف بلاذری کے حوالہ سے وہ مکالمہ نقل کیا جس میں حضرت محمد حنفیہ نے ان الزامات کی نہایت سختی اور صفائی کے ساتھ تردید فرمائی جو یزید کے ذمہ سبائیوں کیطرف سے عائد کئے جاتے تھے اور صرف بلاذری نہیں، بلکہ بقول عباسی ابن کثیر نے بھی بدایہ صہ ۲۳۳/ج ۸ پر نقل کیا ہے جن کی نقل محض بھی بہتوں کی عقلوں کو معطل کر دیتی ہے۔ لہذا ضرورت تھی کہ عباسی کے ان حوالوں کی بھی تردید و تغلیط فرمائی جاتی ورنہ جس طرح عباسی پر یہ الزام ہے کہ انھوں نے سستی شہرت حاصل کرنے کے لئے یہ تصنیف پیش کی اسی طرح جماعت دار العلوم دیوبند بھی مظنۂ بدگمانی سے خالی نہیں۔ کہنے والے کہدیں گے کہ دیوبند کی شہرت اور مرکزیت سے ناجائز فائدہ اُٹھانے کی کوشش کی گئی ہے۔

(۱۵) صہ ۱۰۱ سے صہ ۱۱۲ تک "تیسرا منصوبہ" قائم فرما کر جو کچھ ارشاد فرمایا گیا ہے اس میں صرف وہ حصہ پُر لطف اور وجد آفریں ہے جہاں مولانا نے حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کے قلبی مقامات کی تشریح فرمائی ہے، مگر یہ زیادتی اس موقع پر بھی فرمائی کہ ایک صوفی صافی اور مصلح و شیخ (جو قلبی مقامات کی تشریح پر پوری قدرت رکھتا ہے) کی تعبیر کا موازنہ و مقابلہ عباسی صاحب کی سیدھی سادی تعبیر سے کرنا شروع کر دیا۔ ظاہر ہے کہ تعبیر شیخ

زیادہ عمدہ ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ کتاب کا یہی حصہ ایسا ہے جہاں مولانا اپنے خاص اندازِ بیان کے ساتھ جلوہ گر معلوم ہوتے ہیں ورنہ عباسی کے سر الزام بیجا عائد کرنے کی جو نیت آغاز کتاب میں باندھی گئی وہ یہاں بھی بدستور قائم ہے۔ ملاحظہ ہو صہ ۱۱۱ پر فرماتے ہیں کہ:-

"بہر حال حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے نفی صحابیت، ان پر الزامِ بغاوت اور خرابی جبلت کے جو منصوبے عباسی صاحب نے تیار کئے تھے بلا شبہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی مقدس ذات ان تینوں الزاموں سے بری اور بالاتر ثابت ہوگئی۔"

چند سطروں کے بعد فرماتے ہیں:-

"اگر ان فضائل کے ثبوت سے یزید کا فسق نہیں اُٹھ سکتا تو نہ اُٹھے وہ بہرصورت صاحب فضائل رہینگے۔"

پچھلے صفحات میں مولانا کے فرمودات پر جو معروضات پیش کی گئی ہیں ان سے یہ بات روز روشن کی طرح ظاہر ہوگئی کہ مولانا نے عباسی صاحب کی سستی شہرت چھیننے کے لئے ان کے ذمہ منصوبہ بندیوں کے جو الزامات لگائے تھے وہ سراسر بے بنیاد ہیں ان کی حقیقت بھی "فرضی منصوبہ بندی" سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔ اب رہا مولانا کا یہ ارشاد کہ حضرت حسینؓ کے لئے فضائل کے ثبوت سے یزید کا فسق نہیں اُٹھ سکتا تو کیا مولانا اس کا ذمہ لینے کو تیار ہیں کہ حضرت حسینؓ کے صاحبِ فضائل ہونیسے وہ فسق یزید پر زبردستی خود بخود عائد بھی ہو جاتا ہے۔ اگر مولانا کا خیال یہی ہے تو یہ طرز استدلال اپنی نوعیت کے لحاظ سے نہایت انوکھا اور اچھوتا ہے۔ ع زیب دیتا ہے اسے جس قدر اچھا کہیے۔

(مباحث ثلثہ پر بحث ختم ہوئی اب یزید اور اُس کا کردار زیر بحث آئیگا وہ اگلی قسط میں ملاحظہ ہو)

حضرت مہتمم صاحب دار العلوم دیوبند کی کتاب پر تنقید کی تیسری اور آخری قسط

شہید کربلا اور یزید

از:- مولانا ابو صہیب رومی

(۱۶) مہتمم صاحب ص۱۱۳ پر عنوان قائم فرماتے ہیں " یزید اور اُس کا کردار" یہ مبحث ص۱۱۳ سے ص۱۸۷ تک کل ۷۵ صفحات میں پھیلا ہوا ہے، حالانکہ بقول مولانا (یزید کا ذکر بذاتہ مقصود نہ تھا ص۱۷۹) یہ ذکر ضمنی و استطرادی تھا جسے عام قاعدے کے لحاظ سے مختصر بھی ہونا چاہئے تھا" مگر چونکہ مولانا کے منصوبوں کی تکمیل اور جذبات کی تسکین یزید پر لعن طعن کئے بغیر نہیں ہو سکتی تھی۔ اسلئے مولانا کو یہاں کافی قلمکاری کرنی پڑی۔

(۱۷) ص۱۱۳ پر فرماتے ہیں کہ:-

" یزید کا ذاتی فسق و فجور بھی کچھ کم نہ تھا ـــ لیکن جس فسق نے اسے مبغوض خلائق بنایا وہ اس کا اجتماعی رنگ کا فسق تھا ـــ پھر اس میں قبیح ترین فسق ـــ قتل حسینؓ ہے جو اس کی امارت کا شاہکار ہے"۔

اس کے بعد بدایہ ابن کثیر کے حوالہ سے یزید کا قاتلِ حسینؓ ہونا ثابت فرما کر فرماتے ہیں کہ:-

" کوئی وجہ نہیں کہ " قاتلِ حسین " کو اس قتل پر خوشی نہ ہو۔ قسطلانی شارح بخاری نے علامہ سعد الدین تفتازانی سے نقل کیا ہے کہ:-

اور حق بات یہ ہے کہ یزید کا قتلِ حسین سے راضی ہونا اور اس سے خوش ہونا اور اہانت اہلِ بیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان چیزوں میں سے ہیں جو معنوی طور پر تواتر کے ساتھ ثابت شدہ ہیں اگرچہ ان کی تفصیلات اخبار آحاد ہیں"۔

یہانتک پہنچنے کے بعد کچھ ایسا گمان ہوتا ہے کہ مولانا کو تفتازانی کے بارے میں ملا علی قاری کا وہ جملہ یاد آجاتا ہے " فیہ رائحۃ من الرفض " (تفتازانی میں تو رفض کی بو بُری طرح محسوس ہوتی ہے) اس لئے مولانا بڑی ہوشیاری سے اس جگہ عہدہ برآ ہونے کی کوشش فرماتے ہیں۔

(۱۸) ص۱۱۵ پر کہتے ہیں کہ:-

" قسطلانی کا بلا نکیر تفتازانی سے یہ عقیدہ اور واقعہ نقل کرنا اس عقیدہ اور واقعہ سے خود انکی موافقت کی کھُلی دلیل ہے ـــ اسلئے ایک محدث اور ایک متکلم کے اتفاق سے یزید کی رضا بقتل الحسین اور اس کا فسق ثابت ہوتا ہے ـــ ان دونوں ائمہ حدیث و کلام کے نزدیک یہ بطور متواتر عقیدہ خبر کے واجب التسلیم ثابت ہوتا ہے جو دو کا مسئلہ نہ رہا بلکہ اجماعی[1] بات ہو گئی"۔

آپ نے ملاحظہ فرمایا کس چابکدستی سے مولانا نے انجکشن لگانے کی کوشش فرمائی ہے اور کیسے غیر محسوس طور پر یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ اگر حضرات ناظرین تفتازانی سے مطمئن نہ ہوں اور قسطلانی کی کلامی حیثیت میں کچھ کلام ہو تو اسکا لحاظ

---

[1] تواتر اور اجماع جیسی مقدس اصطلاحوں پر یوں تو اور بھی بہت سے اسلاف و اخلاف نے مشقِ کرم کی ہے لیکن ہمارے مہتمم صاحب نے اِن یتیم و اسیر اصطلاحوں کے سر پر جس انداز سے دستِ شفقت پھیرا ہے وہ تاریخ علم و فن میں نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہے۔ ہجری سن کی ابتدائی تین صدیوں کا کوئی آدمی "تواتر و اجماع" کا یہ حلیہ دیکھ پائے تو امید نہیں کہ غش کئے بغیر رہ جائے۔ (تجلی)

کریں کہ یہ دونوں حضرات اپنے فن کے امام ہیں اور ان دونوں نے اس مسئلہ میں اتفاق کر لیا ہے اور اگر اس "مراقبہ" کے باوجود آپ کے حلق سے یہ بات نہ اُترے، تو اس طرح اپنے دل کو سمجھا لیں کہ ان بزرگواروں نے جو کچھ فرمایا ہے وہ ایسے "نرالے انداز" سے فرمایا ہے کہ یہ دو کا مسئلہ نہ رہا بلکہ اجماعی بات ہو گئی۔ مولانا کے اس "فرضی اجماع" کے استدلال کو دیکھ کر ان منطقی صاحبزادے کی حکایت یاد آ گئی جو منطق سے فارغ ہو کر جب اپنے مکان آئے تو ایک روز کھانے پر باپ بیٹوں کے لئے دو انڈے پیش کئے گئے صاحبزادہ صاحب "جوشِ منطق سے" خاموش نہ رہ سکے بولے۔ میں اپنی منطق کے زور سے ان انڈوں کی تعداد بڑھا سکتا ہوں۔ مثلاً یوں سمجھئے کہ ایک انڈا وہ اور ایک انڈا یہ دو انڈے تو یہ ہوئے اور ایک ان دونوں کا مجموعہ کل تین انڈے ہوئے "وَھَلُمَّ جَرّاً"۔ باپ نے بڑی صفائی سے ان کی منطق پر داد دی اور کہا اچھا بیٹا یہ انڈے جو پلیٹ میں موجود ہیں میں کھائے لیتا ہوں باقی رہے وہ انڈے جو ان کے ذریعہ تم نے اپنی منطق سے تیار کئے ہیں انھیں تم کھالو۔"

بالکل اسی طرح مولانا کا یہ استدلال ہے جس میں دو کی بات کو منطق کے زور سے اجماعی بات فرما دیا گیا ہے، شاید مولانا کو بھی اپنے اس "منطقی اجماع" کی کمزوری کا احساس ہوا تو انھوں نے مزید دلائل کی جستجو میں ابن کثیر کے "ذخیرۂ احادیث" کی کچھ روایتیں ملاحظہ فرمائیں (جو ابن کثیر نے بھی شاید اپنی ذاتی تلاش کے بعد اپنی کتاب میں نقل نہ فرمائی ہوں گی) اس سلسلہ میں مولانا کو ابو مخنف کی ایک مفصل روایت بھی نظر آئی جسے بقول مولانا "سبائی روایت کہکر عموماً ناصبی لوگ رد کر دیتے ہیں" لیکن از راہِ احتیاط مولانا نے وہ روایت نہیں لی کہ سبائی ہونے کے الزام سے تو محفوظ رہیں۔ اب یہ دوسری بات ہے کہ اس بناء پر وہ بقول خود "ناصبی" ہو جائیں۔ خیر مولانا نے وہ سبائی روایت تو نہیں لی۔ البتہ اس کا مضمون بدایہ کے حوالہ سے ضرور نقل فرمایا جس کی تمہید اس مرعوب کن انداز سے ارشاد ہوئی۔

(۹) صفحہ ۱۱۴ پر فرماتے ہیں:۔

"اسی مضمون کو قدرے اجمال کے ساتھ محدث ابن ابی الدنیا نے محدثانہ طریق سے روایت فرمایا ہے۔"

اس تمہید کو پڑھ کر خیال تھا کہ مولانا یہ متنِ حدیث براہ راست ابن ابی الدنیا سے نقل فرمائیں گے۔ اور اس کے ساتھ ہر راوی پر پورا کلام بھی فرمائیں گے۔ شاید یہ بھی ارشاد ہوگا کہ یہ روایت بخاری و مسلم کے شرائط پر پوری اُترتی ہے، مگر افسوس مولانا نے یہ سب کچھ نہ کیا، بلکہ بدایہ کے حوالہ سے ایک ایسی روایت نقل فرما دی جیسی عام "شہادت ناموں" میں بھی آسانی سے دستیاب ہو سکتی ہے۔

"قسطلانی کی روایت اور تفتازانی کا قول جو اوپر نقل کیا گیا ہے اس روایت سے کافی مضبوط ہو جاتا ہے کہ یزید قتلِ حسین سے راضی اور خوش تھا۔"

اس عبارت میں قسطلانی کی روایت اور تفتازانی کے قول کو دو چیزیں شمار کرنے سے مقصد ناظرین کو مغالطہ میں رکھکر مرعوب کرنے کے سوا اور کیا ہے جب کہ حقیقت صرف یہ ہے کہ قسطلانی نے جو کچھ روایت کیا ہے وہ تفتازانی کا قول ہی ہے۔ یعنی دونوں در اصل ایک ہی چیز ہیں، مگر مولانا نے منطق کے زور سے انھیں دو کر دیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ تفتازانی کی بات مولانا کے دل کو بھی نہیں لگتی اور وہ اس کو چاروں طرف سے مضبوط بنانے کی فکر میں ہیں اسی چکر میں نادانستہ ان کے قلم سے ایسے دلائل ٹپک پڑتے ہیں۔

(۱۲) صفحہ ۱۱۶ پر فرماتے ہیں کہ:۔

"ہم ان تاریخی قیاسات کو صحیح بخاری کے مقابلہ پر کوئی اہمیت نہیں دے سکتے۔[1] کی واضح روایت

---

[1] یہ بھی مہتمم صاحب نے بس چلتی ہوئی سی بات کہی ورنہ اسی کتاب میں وہ بخاری کی دھجیاں بکھیر گئے ہیں۔ بخاری کی روایت تو نام لیکر بتاتی ہے کہ حضرت حسینؓ کے دندانِ مبارک پر ابن زیاد نے چھڑی ماری مگر مہتمم صاحب کو چونکہ جہلائے امت سے خراج تحسین حاصل کرنے کیلئے اس قبیح فعل کو یزید کی طرف منسوب کرنیکی ضد ہے اس لئے بلا تکلف اپنے اجتہاد و قیاس اور بعض دیگر نامحکم روایات کی بنیاد پر یزید ہی کو چھڑی مارنے والا منوانا چاہتے ہیں۔ عظمتِ بخاری اگر واقعی ان کے قلب میں ہوتی تو کبھی یہ نقلی چال نہ چلتے۔ اس چال کا مطلب صاف ہے کہ ابن زیاد کا نام بخاری نے غلط لیا۔ چھڑی باز تو در اصل یزید تھا کیا اسی کا نام اہمیتِ بخاری ہے؟ امام بخاری بیچارے مغفرتِ یزید م

ہے کہ ــ ابن زیاد کے پاس حضرت حسینؓ کا سر
لایا گیا" ــ" (مختصراً)

مولانا کا ارشاد سر آنکھوں پر بخاری کی روایت کے
مقابلہ میں تاریخی قیاسات کو اہمیت نہ دینی چاہئے مگر کیا
کیا جائے کہ بخاری کی روایت بیحد مختصر ہے جس کی تفصیل و تکمیل
نے مولانا کو پہلے تو علامہ عینی کے ذریعہ مسند بزار تک پہنچایا پھر ابن
حجر کے ذریعہ طبرانی کی معجم صغیر و کبیر تک مولانا کی رسائی ہوئی لیکن
وہ تفصیل بھی جب باعثِ تسکین نہ ہوئی اور "مومنین" کے گریہ و
بکا کی کوئی صورت نہ نکل سکی تو مولانا نے علامہ عینی سے مزید
تفصیلات سانحہ و موجبات گریہ حاصل فرمائیں اور اس طرح
ان سب روایات کو بخاری کی "صحیح اور واضح" روایت کے
ساتھ تول کر وزن بڑھانے کی ایسی کوشش کی جس کیلئے "مغالطہ"
کا لفظ بھی کچھ ہلکا ہوگا ہاں اسے مولانا کی نظریاتی ریسرچ
کہا جائے تو بات دوسری ہے۔

(۲۲) صـ ۱۲۱ پر فرماتے ہیں کہ:۔

"اب جب کہ حضرت حسینؓ کے پاک از مقبول
عند اللہ سر کو جسم سے جدا کئے جانیکا ثبوت معناً
متواتر ثابت ہوتا ہے تو پھر یہ کیوں ممکن نہیں کہ یہ سر
یزید کے دربار میں پہنچایا گیا ہو آخر اس واقعہ کی
روایت سے کیا وجہ انکار ہو سکتی ہے۔"

سمجھ میں نہیں آتا کہ مولانا اس قدر پریشان کیوں ہیں کہ
پہلے تو تفتازانی کے کلام سے قتل حسینؓ سے صرف یزید کی خوشی
ظاہر و ثابت فرمائی پھر ابن ابی الدنیا کی محدثانہ روایت سے
یزید کا قاتلِ حسین ہونا اور یزید ہی کے سامنے سر حسین کا پیش
ہونا اور یزید ہی کا اپنی چھڑی سے اسے چھو کے دیکھ کر خوشی ظاہر
کرنا ثابت فرمانا چاہا، لیکن کچھ سوچ کر بخاری شریف کی اہمیت
کا خیال آگیا اور بخاری کی ایک مختصر و مجمل روایت کا نام اور سہارا
لیکر اس کے طفیل میں مسند بزار و طبرانی اور عینی و فتح الباری سب
ہی کے تو اقتباسات پیش فرما دیئے مگر لطف یہ کہ ان سب حوالوں سے
نہ تو یزید کا قاتلِ حسین ہونا ثابت کر سکے اور نہ ہی قتل حسینؓ سے
یزید کی رضا و خوشی پر استدلال کی کوئی سبیل نکال سکے تو
آخر عباسی کی تقلید میں مولانا کو بھی قیاس کے "شجر ممنوعہ" کو ہاتھ لگانا
پڑا اور بخاری کی واضح و صحیح روایت کے مقابلہ میں (جس میں ابن زیاد
کے پاس سر لے جانا بیان کیا گیا ہے) تاریخی قیاس کو اہمیت دینی
پڑی۔ اس موقع پر سوال یہ ہوتا ہے اگر ابن ابی الدنیا کی محدثانہ روایت
اور بخاری شریف کی طفیلی روایات نقلی و روایتی معیار پر پوری
اُترتی تھیں تو مولانا کو اپنی یہ عقلی و درایتی دلیل پیش کرنیکی ضرورت
کیوں محسوس ہوئی اور اگر ان روایات ہی میں کوئی ضعف و سقم
تھا جس کی بنا پر ان روایات کو بھی عقلی و درایتی دلیل سے مؤید
مؤکد کرنے کی ضرورت تھی تو پھر مولانا نے یہ "محدثانہ" انداز
کیا صرف مرعوب کرنے کیلئے اختیار فرمایا؟

(۲۳) صـ ۱۲۱ پر بدایہ ابن کثیر سے ناقل ہیں:۔

"جب ابن زیاد نے حسینؓ کو مع ان کے ساتھیوں کے
قتل کر دیا اور ان کے سر یزید کے پاس بھیجے تو وہ اس قتل
سے خوش ہوا اور اس کی وجہ سے ابن زیاد کا رتبہ اسکے
یہاں بلند ہو گیا مگر (اس خوشی پر) تھوڑی دیر بھی نہ
گذری کہ نادم ہوا۔"

اگر مولانا یہ بھی ظاہر فرما دیتے کہ یزید نے ابن زیاد کا رتبہ
کس طرح بلند کیا تو اس روایت کا درایتی پہلو بھی قابل قبول اور
معقول ہو جاتا اور اس کی نقلی و روایتی حیثیت بھی غیر مشکوک ہو جاتی
ورنہ اس عبارت سے تو صرف اسی قدر اندازہ ہوتا ہے کہ قتل حسین
سے خوش ہو کر یزید نے پہلے تو "واہ واہ، شاباش و شاد باش،
مرداں چنیں کنند، جزاک اللہ، سبحان اللہ وغیرہ" قسم کے الفاظ
کہے جسے ابن کثیر وغیرہ جیسے حضرات نے ابن زیاد کی ترقی و بلندی پر
محمول کر لیا، لیکن جب عملی طور پر بعد میں کوئی رتبہ کی ترقی ان کو
نظر نہ آئی تو ان بزرگوں نے اسے یزید کی ندامت سے تعبیر فرما دیا
اور ظاہر ہے کہ یہ تشریح کس قدر مضحکہ خیز ہے۔ اس کے علاوہ ابن کثیر
کی مندرجہ بالا عبارت میں ایک یہ بات بھی کھٹکتی ہے کہ اصل
عربی عبارت میں "بعث برؤسھم" کہا گیا ہے جس کا ظاہری مطلب
تو یہی ہے کہ ابن زیاد نے حضرت حسینؓ اور ان کے ساتھی تمام
مقتولین (شہداء) کے سروں کو یزید کے پاس بھیجا درحالیکہ یہ بات
غالباً ایسی ہے جو اب تک کسی کربلا کے نوحہ خواں نے بھی نہ کہی ہوگی

مگر افسوس کہ نہ تو مولانا نے "بروّ بہم" کے جمع ہونے کی کوئی توجیہ فرمائی اور نہ یہ ہی ظاہر فرمایا کہ یزید نے ابن زیاد کا رتبہ کسطرح بلند کیا

(۲۴) صـ ۱۲۳ پر فرماتے ہیں کہ :-

"پھر اگر قتل حسین پر یہ غم واقعی تھا — تو اس ظالم قاتل کو کوئی سزا دیتا معزول کر دیتا یا کم سے کم اس سے باز پرس ہی کرتا، لیکن بقول حافظ ابن کثیر کے :-

وقد لعن ابن زیاد علیٰ فعلہ وشتمہ فی ما یظھر ویبدو ولکن لم یعزلہ علیٰ ذالک ولا عاقبہ ولا ارسل احداً یعیب علیہ ذالک واللہ اعلم۔

(البدایہ والنہایہ صـ ۲۰۳ ج ۸) -

یزید نے ابن زیاد پر لعنت تو کی اور اسے بُرا بھلا بھی کہتا اس پر کہ آمنہ کیا ہوگا اور کیا بات کھلے گی، (اور میرا کیا بنے گا) لیکن نہ تو اس ناپاک حرکت پر اسے معزول کیا نہ بعد میں اسے کچھ کیا اور نہ ہی کسی کو بھیج ہی دیا کہ وہی اس کی طرف سے جاکر اس کا یہ شرمناک عیب اسے جتائے اور قائل کرے (شہید کربلا اور یزید صـ ۱۲۳)

+ + + +

+ + + +

مولانا نے ابن کثیر کی یہ عبارت اپنے قیاسی مقصد کی تائید کے لئے نقل تو فرما دی مگر اس عبارت کا آخری فقرہ جو کام کا تھا اسے بالکل نظر انداز فرما گئے حتیٰ کہ ترجمہ میں بھی اس کی طرف توجہ نہیں فرمائی۔ یعنی حافظ ابن کثیر کو بھی سبائی روایتوں کے پیش نظر جب یہی الجھن پیش آئی جو ہمارے مولانا کو پریشان کئے ہوئے ہے تو انھوں نے اپنے دل کو مطمئن کرنے کے لئے آخر میں "واللہ اعلم" بھی کہدیا جس کا مطلب یہی ہے کہ یہ سب ایسی متضاد اور غیر معقول باتیں ہیں جو سمجھ میں نہیں آتیں ان کا حقیقی علم تو اللہ تعالیٰ ہی کو ہو سکتا ہے۔

(۲۵) صـ ۱۲۴ پر فرماتے ہیں کہ :-

"ان احوال کے ہوتے ہوئے جبکہ سادات مسلمین اور اجلہ صحابہ کے ساتھ یہ توہین و قتل اور ان کی ایذاؤں پر خوشنودیوں کے یہ معاملات ایک سربراہ کی سرکردگی میں اور خود اس سربراہ کے ہاتھوں نمایاں ہو رہے ہیں تو اسے عمر ثانی کہیں گے یا فاسق و فاجر؟"

مولانا کے سوالیہ جملہ کا جواب یہ ہے کہ عباسی صاحب نے یزید کو عمر ثانی کہا ہی نہیں اس لئے مولانا کا یہ الزام بالکل بیجا ہے اب رہا اس کا فاسق ہونا سو یہ مولانا ثابت نہ فرما سکے۔ اس لئے یہ دعویٰ بلا دلیل رہا اور دلیل کے سلسلہ میں جو کچھ مولانا نے فرمایا ہے اس کے متعلق آئندہ معروضات انشاء اللہ بہت کافی حد تک تشفی بخش ثابت ہوں گی۔

(۲۶) صـ ۱۲۵ پر فرماتے ہیں کہ :-

"میں تو سمجھتا ہوں کہ خود عباسی صاحب کے اپنے اعتراف سے بھی یزید کا فسق واضح ہے خواہ ان کی مرضی کے خلاف ہی کیوں نہ ہو کیونکہ انھیں یزید کی نکتہ چینیوں کا اعتراف ہے جو امام حسینؓ پر اس کی طرف سے کی جاتی تھیں۔"

عباسی صاحب فرماتے ہیں :-

"امیر یزید کو حضرت حسینؓ کے حادثہ کا صدمہ و قلق تھا - ابو مخنف وغیرہ شیعہ راویوں تک نے لکھا ہے کہ اس حادثہ کی خبر سنتے ہی رنج سے بیتاب ہو گئے اور آنکھوں میں آنسو بھر لائے مگر ذاتی تعلقات کے علاوہ حکومت اور پبلک اُمور کا جہاں تک تعلق ان کے خروج کا تھا اس پر نکتہ چینی کی جاتی تھی۔" (خلافت معاویہ و یزید صـ ۱۸۰-۱۸۱)

عباسی صاحب کی مندرجہ بالا عبارت سے فسق یزید ثابت کرنے میں مولانا نے تو کمال ہی کر دیا اس کی تشریح جو کچھ فرمائی ہے اسے دیکھ کر شبہ ہوتا ہے کہ مولانا کسی معمولی اُردو عبارت کا مطلب نہیں تحریر فرما رہے ہیں، بلکہ شاید بخاری شریف کے کسی مشکل ترجمۃ الباب کی توجیہ و انطباق کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عباسی صاحب کی عبارت کا مطلب تو خبط ہوا ہی مگر خود مولانا کی مراد بھی واضح نہ ہو سکی حالانکہ عباسی صاحب کی عبارت کا مطلب صرف اس قدر ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ رشتہ داری وغیرہ کی بناء پر یزید کے تعلقات ذاتی طور پر تو تھے مگر چونکہ حضرت حسینؓ کا "خروج" ایک ایسا اقدام تھا جو نظام حکومت اور پبلک اُمور پر اثر انداز ہوتا تھا جس کی وجہ سے یہ انفرادی

چیز نہ رہ گئی تھی، بلکہ اجتماعی رنگ اختیار کر چکی تھی اس لئے
ان کے اقدام "خروج" کو تعلقات کی بناء پر نظر انداز نہیں کیا
جاسکتا تھا، بلکہ اس پر نکتہ چینی کی جاتی تھی۔

(۲۷) ص۱۲۶ پر فرماتے ہیں کہ:-

"تو حاصل یہ نکلا کہ عباسی صاحب کے دعوی و اعتراف
کے مطابق یزید حضرت حسینؓ پر بلکہ امور میں الزام
بغاوت اور جرم بدعہدی و عہد شکنی عائد کیا کرتا تھا۔
جو بلاشبہ الزام خیانت کے مرادف ہے اور وہ ذاتی
و شخصی خیانت سے کہیں زیادہ شنیع و ناپاک تر
خیانت ہے۔"

یزید کا فسق ثابت کرنے کے لئے مولانا کی یہ منطقیانہ دلیل
بالکل اسی انداز کی ہے جیسی بریلوی حضرات (حفظ الایمان،
تقویۃ الایمان سے اہانتِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ثابت کرنے
کے لئے) استعمال کرتے ہیں۔ یعنی عباسی صاحب نے تو حضرت
حسینؓ کو بدعہد یا عہد شکن نہیں ٹھیرایا بلکہ ان کے خروج کو
غلط فہمی پر مبنی قرار دے کر اجتہادی خطا سمجھا جو مولانا کے
خیال میں بھی "امام" کی شان عالی کے منافی نہ تھی مگر مولانا زبردستی
اس کا مطلب یہ قرار دے رہے ہیں کہ عباسی صاحب نے
نعوذ باللہ حضرت حسینؓ کو بدعہد و عہد شکن ٹھیرایا۔ اگر یہ زبردستی
جائز ہے تو جنگِ جمل و صفین کے فریقین پر بھی اسی معقول دلیل
کو جاری کیجئے اور کہئے کہ حضرت امیر معاویہؓ نے حضرت علیؓ
کو قتلِ عثمان میں شریک مانا اور ان کو ایسی زبردست معصیت
کا مرتکب گردانا (درحالیکہ وہ اس سے بری تھے) تو کیا ایک
جلیل القدر صاحبِ روایت اور اہلِ بیت صحابی پر ایسے ناپاک
الزام لگانا حضرت معاویہؓ کی صفائی ہے یا نعوذ باللہ منہ ان کے
فسق پر مہر لگانا ہے۔

ہم کو مولانا سے امید تو یہی ہے کہ وہ اس دلیل کو تسلیم فرما کر
اس پر خاموشی ہی اختیار فرمائیں گے اور ان کی رگِ حمیت
قطعاً جوش میں نہ آئے گی جیسا کہ اب تک مشاہدہ ہوتا رہا کہ
حضرت امیر معاویہؓ کی شان میں کیسی کیسی گستاخیاں کی گئیں اور
نہ صرف شیعوں نے، بلکہ بہت سے "رفض زدہ" سنیوں نے
بھی ان کے خلاف دل کی بھڑاس نکالی ہے۔ ندوۃ المصنفین،
دار المصنفین جیسے سو فی صدی یا ۳/۴ دیوبندی ادارے سے
"سیر الصحابہ" وغیرہ ناموں سے جو کتابیں شائع ہوئی ہیں مولانا
نے شاید ان کو ملاحظہ ہی نہ فرمایا ہوگا ورنہ ان کو حضرت امیر معاویہؓ
کی شان میں بھی گستاخیاں ان کتابوں میں مل جاتیں اور شاید ان کی
غیرت دینی ان کو ان کتابوں کی تردید پر بھی اسی طرح آمادہ کر دیتی۔

(۲۸) ص۱۲۶ پر فرماتے ہیں کہ:-

"فسق تو فسق، بعض ائمہ کے یہاں تو یزید کی تکفیر تک
مسئلہ بھی زیر بحث آگیا ۔۔۔ گو یہ جمہور کا مسلک نہیں
لیکن اس سے کم از کم اس کے فسق کی تصدیق اور تاکید
تو ضرور ہو جاتی ہے۔"

مولانا کی یہ دلیل جس قدر زوردار ہے اس کا اندازہ کرنے
کے لئے اگر آپ یزید کا نام ہٹا کر "جماعت دار العلوم دیوبند"
کو رکھ کر یوں فرمائیں کہ "فسق تو فسق علمائے حرمین کے یہاں تو
"جماعت دار العلوم دیوبند" کی تکفیر تک کا مسئلہ بھی زیر بحث
آگیا ہے گو یہ جمہور کا مسلک نہیں، لیکن اس سے کم از کم اسکے
فسق کی تصدیق اور تاکید ضرور ہو جاتی ہے۔"

تو اس دلیل کی حقیقت آپ پر اچھی طرح روشن ہو جائیگی
اور معلوم ہو جائے گا کہ "بناء الفاسد علی الفاسد" کسے کہتے ہیں۔
ہمارے مولانا نے اس بحث میں جس قدر عبارات نقل فرمائی ہیں وہ
سب اسی "بناء الفاسد علی الفاسد" ہی کے قبیل سے ہیں کیونکہ
جس طرح علمائے حرمین کی طرف سے "علمائے دیوبند" کی تکفیر غلط بنیاد
پر ہونے کی وجہ سے ان کے فسق کی بھی دلیل نہیں بن سکتی۔ اسی طرح
ان اکابر و مشائخ کے فرمودات سارے کے سارے ابو مخنف و
طبری جیسے سبائی راویوں کی روایت پر مبنی ہونے کی وجہ سے
قابل استدلال نہیں جن کی قلعی عباسی صاحب نے اچھی طرح
کھول دی ہے اگر مولانا کو عباسی صاحب کی تردید فرمانی تھی تو
اس کا صحیح طریقہ یہ تھا کہ پہلے عباسی صاحب کے پیش کردہ دلائل
کی غلطیاں واضح فرماتے ان کے حوالہ جات کی تغلیط فرماتے اسکے
بعد اپنا عقیدہ یا نظریہ پیش فرما کر اس کے دلائل بیان فرماتے
مگر مولانا نے یہ سب کچھ نہ کیا۔ یعنی ساری کتاب میں اپنے "نظریہ"

کے لئے کچھ حوالہ جات تو فراہم فرمائے لیکن عباسی کے کلام پر مطلق کلام نہیں فرمایا جس کی کچھ مثالیں تو پچھلے صفحات میں بھی پیش کی جا چکی ہیں چند مثالیں یہاں بھی ملاحظہ ہوں مثلاً:۔

(۱) یزید کا فسق ثابت کرنے کے لئے مولانا کو "شرح فقہ اکبر" اور "حیوۃ الحیوان" کی وہ عبارتیں تو مل سکیں جن میں یزید پر شراب نوشی، نرد بازی اور چیتوں سے شکار وغیرہ کا الزام لگایا گیا ہے، مگر عباسی صاحب نے شراب کے بارے میں لفظ شراب کی تحقیق فرما کر غلط فہمی کا جو ازالہ فرمایا تھا مولانا نے شاید اس کو ایسا لاجواب سمجھا کہ خود بھی لاجواب ہو گئے۔ اسی طرح عباسی صاحب کے اس حوالہ کا جواب بھی نہ بن پڑا (اس لئے نظر انداز فرما گئے) جو انھوں نے حجۃ الاسلام امام غزالیؒ کے شاگرد قاضی ابی بکر بن عربی کی کتاب "العواصم من القواصم" صـ ۲۳۲ سے نقل کیا تھا فرماتے ہیں:۔ [۱]

وھذا یدل علی عظیم منزلۃ (یزید) عندہ حتے یدخلہ فی جملۃ زھاد الصحابۃ والتابعین یقتدی بقولھم ویرعوی من وعظھم ونعم وما ادخلہ الا فی جملۃ الصحابۃ قبل ان یخرج الی ذکر التابعین فاین ھذا من ذکر المورخین لہ فی الخمر وانواع الفجور الا یستحیون ؟ (العواصم من القواصم صـ ۲۳۲)	اور یہ اسی بات کی دلیل ہے کہ ان (امام احمدؒ) کے نزدیک ان (امیر یزید) کی اس درجہ عظیم منزلت (شان) تھی کہ ان کو زہاد صحابہ و تابعین کے زمرہ میں شامل کیا جنکے اقوال کی پیروی کیجاتی ہے اور جن کے وعظ سے ہدایت حاصل کیجاتی ہے اور ہاں انھوں نے تابعین کے ذکر سے قبل ہی صحابہ کے زمرہ کیساتھ ہی انکو شامل کیا پس کہاں ہیں ان کیساتھ خمر اور طرح طرح کے فسق و فجور کے اتہامات جن کا ذکر مؤرخین کرتے ہیں۔ کیا ان لوگوں کو اس پر شرم نہیں آتی ؟ (خلافت معاویہ و یزید صـ ۵۲)

+ + + +

+ + + +

۲۔ یزید پر لعنت بھیجنے کے بارے میں علامہ دمیری کے حوالہ سے الہراسی کا کلام تو مولانا نے بڑے زور شور سے نقل فرما دیا جس میں یزید پر لعنت بھیجنے کی اجازت بھی دی گئی اور یزید کو شراب نوش و نرد باز وغیرہ بھی ظاہر کیا گیا مگر مولانا نے نہ تو العواصم کی مندرجہ بالا حوالہ کا کوئی جواب دیا اور نہ امام غزالیؒ کے ان فتوی پر کوئی تنقید فرمائی (جو انھیں کیا الہراسی کے استفسار کے جواب میں امام غزالیؒ نے صادر فرمایا تھا) حالانکہ ضرورت تھی کہ جہاں مولانا نے قتلِ حسین سے یزید کی رضا و مسرت ثابت کی تھی وہاں امام غزالیؒ کے ان جملوں کی زد سے محفوظ رہنے کی بھی فکر فرماتے امام غزالیؒ فرماتے ہیں:۔

ومن زعم ان یزید امر بقتل الحسین اورضی بہ فینبغی ان یعلم بہ غایۃ الحماقۃ الخ (وفیات الاعیان لابن خلکان صـ ۴۶۵)	جو شخص یہ گمان رکھتا ہو کہ یزید نے قتلِ حسین کا حکم دیا یا اس پر رضامندی کا اظہار کیا تو جاننا چاہئے کہ وہ شخص بڑے درجہ کا احمق ہے۔ (خلافت معاویہ و یزید صـ ۵۳)

۳۔ یزید پر لعنت بھیجنے کی چھوٹ تو مولانا نے دیدی مگر امام غزالیؒ کے ان جملوں پر کچھ روشنی نہ ڈالی (جو عباسی صاحب نے مولانا کے حافظ ابن کثیر کی بدایہ کے حوالہ سے نقل کئے تھے) فرماتے ہیں:۔

ومنع من شتمہ ولعنہ لانہ مسلم ولم یثبت رضی بقتل الحسین۔ واما الترحم علیہ فجائز بل مستحب بل نحن نترحم علیہ فی جملۃ المسلمین والمومنین عموماً فی الصلوات (بدایہ صـ ۱۷۳/۱۲)	اور امام غزالی نے امیر یزید پر سب و شتم کرنے سے منع کیا ہے کیونکہ وہ مسلمان تھے اور یہ ثابت نہیں کہ وہ قتلِ حسین سے راضی تھے۔ اور بہر حال ان (یزید) پر رحمۃ اللہ علیہ کہنا سو یہ تو جائز بلکہ مستحب ہے۔ بلکہ ہم تو ان پر رحمت کی دعا تمام مسلمین و مؤمنین کے شمول میں اپنی نمازوں میں مانگتے ہیں (خلافت معاویہ و یزید صـ ۵۵)

+ + + +

+ + + +

ان مندرجہ بالا مثالوں کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ شاید عباسی صاحب کی پیروی بغیر مولانا کے لئے بھی کوئی دوسرا چارہ کار نہیں۔ اسی بناء پر وہ بھی اپنی نظریاتی ریسرچ کو عظیم دعوتِ فکر اور تحقیقات کا گنج گرانمایہ قرار دینے میں کسی قسم کا تکلف نہیں محسوس نہیں فرما رہے ہیں بلکہ اس نظریاتی ریسرچ کی دُھن میں وہ اس بُری طرح مبتلا ہیں اور اپنی بات کی پیچ کا جذبہ ان پر اس قدر مستولی ہے کہ ان کو

اپنی دلیلوں کے صحیح وزن کا بھی اندازہ نہیں ہو پاتا اور وہ ایک دلیل پیش کرنے کے بعد خود ہی اس دلیل سے کچھ غیر مطمئن ہو جاتے ہیں تو دوسری دلیل پیش فرماتے ہیں اور جب اس کو بھی غیر شافی خیال فرماتے ہیں تو تیسری دلیل بیان فرماتے ہیں۔ چنانچہ اسی فسق یزید کی طول طویل بحث میں مولانا جس پریشان خیالی اور تضاد بیانی میں مبتلا ہیں اس کی نظیر شاید مشکل ہی سے مل سکے مثال کے لئے ملاحظہ ہوں مولانا کی یہ عبارات جو ذیل کے نمبر میں پیش ہیں۔

(۲۹) صـ ۱۲۷ پر فرماتے ہیں کہ:۔

"اس سے واضح ہے کہ اختلاف اگر ہے تو یزید کی تکفیر میں ہے تفسیق میں نہیں"

پھر چند سطروں کے بعد فرماتے ہیں:۔

"تاہم یہ ضرور ہے کہ مستحق لعنت اشد قسم کا فاسق ہی ہو سکتا ہے اس لئے یہ استحقاق لعنت کا مسئلہ درحقیقت یزید کے فسق کی ایک مستقل دلیل ہے"

اور آگے چلکر صـ ۱۲۸ پر فرماتے ہیں:۔

"اس عبارت سے یزید کا فسق متفق علیہ ہو جاتا ہے۔ البتہ نام لیکر لعنت کرنے میں علماء مختلف الرائے ہیں بعض جواز کے قائل ہیں اور بعض نہیں"

کچھ اور آگے چل کر دمیری کے حوالہ سے الہراسی کا قول صـ ۱۲۹ پر نقل فرماتے ہیں کہ:۔

"اب رہا سلف صالحین کا قول اس کی لعنت کے بارے میں تو اس میں امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام احمد بن حنبل کے دو قسم کے قول ہیں ایک تصریح کے ساتھ ایک تلویح کے ساتھ اور ہمارے (الہراسی یعنی شافعی کے) نزدیک ایک ہی قول ہے یعنی تصریح کے ساتھ یعنی صراحۃً لعنت کا جواز"۔

ظاہر ہے کہ اس عبارت کا مطلب تو یہی ہوا کہ ایک قول کے مطابق ائمہ اربعہ کے نزدیک نام لے کر یزید پر لعنت بھیجنا جائز ہے تو پھر مولانا کے اس ارشاد کا مطلب کیا ہوا کہ "لعنت کرنے میں علماء مختلف الرائے ہیں بعض جواز کے قائل ہیں اور بعض نہیں" سمجھ میں نہیں آتا کہ مولانا یزید پر فسق بلکہ کفر تک کا فتویٰ صادر فرمانے میں تو کوئی باک نہیں محسوس فرماتے لیکن جواز لعنت کے فتوے سے کیوں گریز فرماتے ہیں (بالخصوص ایسی صورت میں جب کہ مولانا کی نقل کے مطابق امام احمد یہ ارشاد فرماتے ہوں کہ یزید پر براہ راست اللہ تعالےٰ نے لعنت بھیجی ہے (شہید کربلا اور یزید صـ ۱۳۱) آخر جب لعنت یزید پر ائمہ اربعہ متفق ہیں تو مولانا بھی تو ان میں سے کسی ایک کے مقلد ہی ہوں گے ان کو اس مسئلہ میں تقلید سے کیوں گریز ہے؟

(۳۰) صـ ۱۳۰ پر فرماتے ہیں کہ:۔

"اس عبارت سے ائمہ مجتہدین کا مسلک واضح ہو جاتا ہے کہ یہ سب حضرات یزید کے فسق کے قائل تھے اس لئے لعنت کا مسئلہ زیر غور آیا حتیٰ کہ امام احمد بن حنبل نے تو قرآن پیش کر کے کہا کہ اللہ نے اپنی کتاب مبین ہی میں یزید پر لعنت بھیجی ہے"۔

اس کے بعد ابن جوزی کی روایت نقل فرمائی ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ:۔

"صالح بن امام احمد بن حنبل نے اپنے والد احمد بن حنبل سے کہا کہ بعض لوگ ہم پر الزام لگاتے ہیں کہ ہم یزید کے حمایتی ہیں تو امام احمد نے فرمایا کہ بیٹا کیا کوئی اللہ پر ایمان لانے والا ایسا ہوگا جو یزید سے دوستی کا دم بھرے؟ اور میں اس پر لعنت کیوں نہ کروں جس پر اللہ نے لعنت کی ہے الخ"۔ (صواعق محرقہ صـ ۱۳۲)

مولانا نے شاید طے کر لیا ہے کہ ان کو اپنے مطلب کیموافق جو روایت بھی مل جائے گی اس کو آنکھ بند کر کے اپنی کتاب میں لے لیں گے۔ چنانچہ مندرجہ بالا روایت مولانا نے کس آسانی سے بغیر جرح و قدح نقل فرما دی، حالانکہ اگر وہ ذرا بھی غور و تامل سے کام لیتے تو اس روایت کے تار و پود انکو الگ الگ دکھائی دیتے اور ان کی سمجھ میں آسانی سے یہ بات آجاتی کہ یہ روایت مصنوعی اور وضعی ہے۔ کیونکہ اس میں امام احمد کے صاحبزادے کا یہ کہنا کہ (بعض لوگ ہم پر یزید کے حمایتی ہونے کا الزام لگاتے ہیں) کوئی معنی رکھتا ہے اور اس سے صاف ظاہر ہے کہ کتاب الخ

میں امام احمد نے یزید کو منجملہ زہاد صحابہ و تابعین جو شمار کیا تھا وہ بالکل واقعی تھا۔ اسی قسم کی باتوں کی وجہ سے لوگ امام احمد کو یزید کا حمایتی سمجھتے رہے ہوں گے اس لئے انھوں نے امام احمد کی حمایت کو ختم کرنے کے لئے ان کے صاحب زادے کی زبانی ایک گھڑی ہوئی روایت ادا کرا دی۔

(۳۱) صفحہ ۱۳۱ پر صواعق کی مذکورہ بالا عبارت نقل فرمانے کے بعد فرماتے ہیں کہ:-

"اس عبارت سے اول تو یہ واضح ہوا کہ امام احمد کے نزدیک قتلِ حسینؓ میں یزید کا ہاتھ بلا شبہ کارفرما تھا کیونکہ امام احمد اسے فسادِ عظیم فرما کر یزید کو اس پر مستحق لعنت فرما رہے ہیں جس کے معنی یزید کے قاتل ہونے کے صاف نکلتے ہیں۔"

سمجھ میں نہیں آتا کہ جب بقول مولانا' یزید کے قاتل حسین ہونے کی صریح روایات موجود تھیں اور یزید کے فاسق و مستحق لعنت ہونے پر اللہ تعالیٰ سے لیکر ائمہ اربعہ تک متفق تھے تو بار بار خود مولانا کو اجتہاد و استنباط کی حاجت کیوں پیش آتی اور ایسے صاف و صریح الفاظ سے بھی معنی نکالنے کی ضرورت کیوں ہوئی

(۳۲) صفحہ ۱۳۲ پر فرماتے ہیں کہ:-

"گو عباسی صاحب نے یزید تک پہنچکر امام کو چھوڑ دیا صرف اسی حد تک ان کا دامن سنبھالے رہے جس حد تک ان کے ایک غریب قول سے" امام "حسینؓ کے تابعی ثابت ہو جانے کی کچھ توقع تھی۔"

عباسی صاحب کی طرف سے اس کا ترکی بترکی جواب یوں دیا جا سکتا ہے کہ مولانا نے بھی صالح بن احمد کی روایت کو حضرت حسینؓ کے تابعی ہونے کے سلسلے میں تو غریب فرما کر رد فرما دیا اور انھیں صالح کی روایت جب ابن جوزی کی معرفت مولانا کو ملی تو یزید کو "خدائی ملعون" تک فرمانے کے لئے تیار ہو گئے۔ اسی طرح ابن جوزی کی روایت کے مطابق امام احمد کے جو اقوال مفید مطلب ملے ان میں تو مولانا امام احمد کا دامن سنبھالے رہے اور خود امام احمد کی ذاتی تصنیف کتاب الزہد تک پہنچتے پہنچتے امام احمد کا دامن مولانا کے ہاتھ سے بے ساختہ چھوٹ گیا جہاں حضرت امام احمدؒ نے یزید کو منجملہ زہاد صحابہ و تابعین شمار کیا تھا جس کا حوالہ عباسی صاحب نے اپنی کتاب کے صفحات ۳۰۳ و ۵۲ میں دیا ہے اور خود آپ نے بھی اس کی تردید نہ فرما کر اسے صحیح تسلیم فرما لیا ہے ؎

زیرِ گردوں بد نہ بولے گر کوئی میری سنے
ہے یہ گنبد کی صدا جیسی کہے ویسی سنے

(۳۳) صفحہ ۱۳۲ پر فرماتے ہیں کہ:-

"یہ سب شہادتیں ہم نے اس لئے نہیں پیش کیں کہ ہمیں یزید پر لعنت کرنے سے کوئی خاص دلچسپی ہے اور نہ ہی ان لعنت ثابت کرنے والے علماء و ائمہ کا منشا یزید کی لعنت کو بطور وظیفہ کے پیش کرنا ہے — ان کا منشاء زیادہ سے زیادہ لعنت کا جواز ثابت کرنا ہے لعنت کو واجب بتلانا نہیں۔ ادھر بعض دوسرے ائمہ علم یزید پر لعنت کرنے کو پسند نہیں فرماتے جیسا کہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں" لوگوں پر لعنت کرنے میں خطرہ ہی خطرہ ہے اور لعنت سے بچ جانے اور زبان روک لینے میں حتٰکہ لعنت ابلیس سے بھی رُک جانے میں کوئی خطرہ نہیں چہ جائیکہ اس کے کسی پر لعنت بھیجنے میں خطرہ ہو۔"

ہمارے مولانا بھی مفید مطلب عبارات جمع کرنے پر اس طرح تُلے ہوئے ہیں کہ ابھی تک تو بڑے بڑے محدثین و مفسرین اور فقہاء و متکلمین کی عبارات سے یزید کا فاسق و مستحق لعنت ہونا ثابت فرماتے رہے، لیکن جب لعنت سے خاموشی اختیار کرنے کا خیال آیا اور اس میں ان کو کسی متکلم و فقیہ یا محدث و مفسر کا دامن نہ ملا تو بدرجۂ مجبوری ایک صوفی صافی یعنی امام غزالی کا دامن پکڑ نامناسب جانا اور ان کے کلام سے ان فقہاء و محدثین کا منشا متعین فرمایا حالانکہ اگر ان

؎ غالباً ترجمہ میں مولانا سے تسامح ہوا یا کاتب کی غلطی سے "نہ" چھوٹ گیا اور نہ ترجمہ یہ ہونا چاہئے تھا کہ "لعنت نہ بھیجنے میں خطرہ ہو"۔ ۱۲ رومی۔

فقہاء و علماء کا منشا یہی تھا تو یہ بھی ان ہی کے کلام سے ثابت فرمانا چاہئے تھا ورنہ یہ تو کوئی بات نہ ہوئی کہ یزید کو فاسق و مستحقِ ملامت قرار دینے کے لئے تو عبارتیں پیش ہوں ائمہ مجتہدین اور فقہاء و محدثین کی اور لعنت سے خاموش رہنے کا منشا متعین کرنے کے لئے صرف امام غزالیؒ بیچارے رہ جائیں۔ اگر امام غزالی کا کلام بھی قابل استناد ہو سکتا تھا تو مولانا کی نظر سے ان کا وہ کلام بھی تو گذرا ہوگا جسے عباسی صاحب نے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے اور اس کا کچھ حصہ مضمون زیر نظر کے گذشتہ صفحات میں بھی پیش کیا جا چکا ہے۔

(۳۴) صفحہ ۱۳۳ پر فرماتے ہیں کہ:-

"ائمہ ہدایت کے یہاں کسی کے بارے میں لعنت کا جواز بلکہ لعنت کا سوال اُٹھ جانا اس کے اچھے کردار کی دلیل نہیں ہو سکتا بلکہ بد کرداری اور فسق ہی کی دلیل ہو سکتا ہے اس لئے یہ لعنت کے اقوال ان ائمہ کی طرف سے بلا شبہ یزید کے فسق کی ایک مستقل دلیل اور وزنی شہادت ہیں۔"

پھر چند سطروں کے بعد فرماتے ہیں:-

"بہر حال یزید کا فسق و فجور اور بری شہرت شروع ہی سے اس درجہ پر تھی کہ اگر کسی واقعہ سے کوئی اس کی مدح کا پہلو تلاش کر کے نکال بھی لیتا تو معاصر علماء فوراً اس کی تردید کے لئے کمربستہ ہو جاتے۔"

اس کی مثال دیتے ہوئے چند سطروں کے بعد صفحہ ۱۳۵ پر فرماتے ہیں کہ:-

"حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے کسی نے یزید کو امیر المؤمنین کہدیا تو انھوں نے اسے بیس ۲۰ کوڑے لگنے کی سزا دی۔ ملاحظہ ہو تہذیب التہذیب صفحہ ۳۶۱ ج ۱۱

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام غزالی کا صوفیانہ مشورہ تو مولانا نے نقل فرما دیا مگر اس کے ساتھ ہی ساتھ یہ اندیشہ بھی پیدا ہو گیا کہ کہیں ایسا نہ ہو لوگ واقعی امام غزالیؒ کے تصوف کا شکار ہو جائیں اور سرے سے فسقِ یزید ہی کا انکار کر دیں اور اس طرح یزید کو فاسق و لعنتی ثابت کرنے کے سارے منصوبے خاک میں ملجائیں، تو فوراً مولانا نے استدراک فرمانا شروع کر دیا! اس سلسلہ میں ان کو عمر بن عبد العزیز کی مثال بھی مل گئی لیکن اگر اس مثال کے ساتھ ساتھ مولانا عباسی صاحب کے ان اقتباسات کا جواب بھی مرحمت فرما دیتے تو شاید دیانت سے بعید نہ ہوتا، مگر خدا جانے کیوں مولانا عباسی صاحب کے حوالجات سے تعرض فرمانا اپنی شانِ علم کے خلاف سمجھتے ہیں ورنہ عباسی صاحب نے تو اپنی کتاب میں صفحہ ۳۳ پر العواصم من القواصم کے حاشیہ سے نقل کیا تھا جس کا ترجمہ یہ ہے

"آپ حضرات ہمارے ان موجودہ سلطان کو خلیفہ کہتے ہیں اور میں آپ کا شیعہ بھائی ہوتے ہوئے بھی باعلان کہتا ہوں کہ یزید بن معاویہ اپنی پاک سیرت کے اعتبار سے بہ نسبت ہمارے موجودہ خلیفہ کے خلافت کے زیادہ مستحق تھے اور شرع محمدی پر عمل پیرا ہونے میں ان سے زیادہ صادق تھے۔ پھر کہاں ان کے والد معاویہؓ کا درجہ اور منزلت؟"

اسی طرح عباسی صاحب نے علامہ ابن تیمیہ کی منہاج السنہ سے اپنی کتاب کے صفحہ ۳۳۱ و ۳۳۲ پر جو نقل کیا ہے اس کا ترجمہ خلاصہ یہ ہے:-

"پس ان میں سے ہر ایک اسی معنی و اعتبار سے امام تھا کہ اس کو اقتدار حاصل تھا اور قوت عسکریہ اس کے پاس تھی —— وہی حدود شرعیہ قائم کرتا تھا اور کفار سے جہاد کرتا تھا —— اسی معنی و اعتبار سے وہ (امیر یزید)

امام اور خلیفہ و سلطان تھے — پس اہل سنت جو یزید، عبد الملک یا المنصور وغیرہ کی امامت کے معتقد ہیں وہ اسی اعتبار سے ہے اور جو کوئی اس میں نزاع کرے وہ ایسی ہی بات ہے جیسے کوئی حضرت ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کی حکمرانی کے بارے میں نزاع کرے، یا بادشاہوں سے کسریٰ و قیصر و نجاشی وغیرہ کے بارے میں کہے کہ وہ حکمراں نہ تھے۔"

شاید مولانا بھی "نظریاتی ریسرچ" کا جواب "نظریاتی ریسرچ ہی" سے دینا چاہتے ہیں اس لئے ان کو بس اپنے مفید مطلب حوالے فراہم کرنے کی فکر ہے۔ عباسی صاحب کے دلائل کا جواب تلاش کرنے کا موقع کہاں ہے۔

(۳۵) ص۱۳۸ پر فرماتے ہیں کہ:۔

"عباسی صاحب تو ابن کثیر کی ناتمام عبارت سے یزید کے حسن کردار کا ثبوت پیش کریں اور خود حافظ ابن کثیر حدیث رسول سے استشہاد کر کے اس کی دیاناتی بدکرداری ثابت کریں یہ نہ صرف عبارت ہی میں ایک گونہ خیانت کے ہم معنی ہے، بلکہ منشا مورخ کے خلاف اس کی تاریخ کا ناجائز استعمال بھی ہے۔"

مولانا کی ساری کتاب میں یہ ایک مثال ہے جس میں مولانا عباسی صاحب کے ایک حوالہ پر ناتمام ہونے کا اعتراض فرمایا ہے مگر اس اعتراض کا وزن اس لئے کچھ زیادہ نہ رہ گیا کہ عباسی صاحب نے اپنی کتاب کی منقولہ عبارت کے لئے بدایہ ابن کثیر اور تاریخ اسلام ذہبی دو کتابوں کا حوالہ دیا تھا۔ لہذا تاوقتیکہ دونوں حوالوں کی تغلیط و تردید نہ ہو عبارت کے ناتمام ہونے کا اعتراض بھی ناتمام ہی رہے گا۔ علاوہ ازیں عباسی صاحب جب حضرت عبد اللہ بن عباس اور حضرت محمد بن الحنفیہ جیسے حضرات کی عینی شہادات اور بیانات سے یزید کی صلاح کاری اور نیک اطواری ثابت کر چکے تھے تو کوئی ضرورت نہ تھی کہ ابن کثیر کے وہ جملے بھی نقل کرتے جو سبائی ذہنیت کی پیداوار تھے اور جن کے ناقلین کے لئے قاضی ابی بکر بن عربی نے تو یہاں تک فرما دیا کہ ایسے لوگوں کو شرم کیوں نہیں آتی، اس لئے ماننا پڑے گا کہ عباسی صاحب کی پیش کی ہوئی حضرات صحابہؓ کی عینی شہادات ابن کثیر کی اس عبارت کے مقابلہ میں زیادہ وزنی ہیں بالخصوص جب کہ حضرت محمد بن حنفیہ کی شہادت (جو پچھلے صفحات میں نقل ہو چکی) اور صفائی کے راوی بھی یہی حافظ ابن کثیر ہیں۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں:۔

وقد سئل محمد ابن الحنفية في ذالك فامتنع من ذالك اشد الامتناع وناظرهم في يزيد ورد عليهم ما اتهموه من شرب الخمر وتركه بعض الصلوٰة۔ (ص۲۱۸ ج۸۔ البدایۃ والنہایہ)

اور جب محمد بن حنفیہ سے اس (فسخ بیعت کے) بارے میں کہا گیا تو انھوں نے بہت سختی سے انکار کیا اور ان لوگوں سے بحث و مباحثہ کیا اور یزید کے بارے میں ان سے لڑے اور شراب نوشی اور ترک نماز کے جو اتہامات لوگ لگاتے تھے اس کی تردید کی (خلافت معاویہؓ و یزید ص۸۸)

\+ + + +

(۳۶) ص۱۳۸ پر فرماتے ہیں کہ:۔

"ابن کثیر کی یہ روایت تو سبائی روایت نہیں یہ خود اس کا تاریخی دعویٰ اور تاریخی آنکھ کا مشاہدہ ہے اگر یہ بھی سبائی روایت ہے تو اس کے جزو اول سے عباسی صاحب نے کیوں استدلال فرمایا ہے اور اگر سبائی روایت نہیں بلکہ ابن کثیر کی معتبر اور مستند روایت ہے تو ان کی عبارت کے جزو ثانی سے استدلال کیوں نظر انداز کر دیا۔"

مولانا کی یہ جرح کچھ اس قسم کی ہے جس سے خود انکی شانِ علم و تحقیق مجروح بلکہ مذبوح ہو گئی اور اندازہ یہ ہوا کہ سبائی اور غیر سبائی روایتوں میں فرق کرنے کا شعور مولانا کو بالکل نہیں ہے اور وہ اسی قسم کی منطقی دلیلوں سے کسی روایت کے سبائی یا غیر سبائی ہونے کا فیصلہ فرماتے ہوں گے۔ حالانکہ مولانا کو اس میدان میں آنے اور "مشاجرات صحابہ" کے نازک و پیچیدہ موضوع پر قلم اٹھانے سے پہلے سبائیوں کی دسیسہ کاریوں کا غائر مطالعہ فرما کر ان کی عیاریوں اور مکاریوں سے پوری واقفیت حاصل فرما لینی چاہئے تھی سبائیوں کا تو خاص فن یہی ہے کہ وہ بظاہر دوست بن کر حق دشمنی ادا کرتے ہیں اس لئے ایسے

مواقع میں ان کا خاص کمال یہی ہوگا کہ وہ یزید کی طرف سے مسلمانوں کو ایسی روایتوں کے ذریعہ بدگمان کریں کہ یہ ظاہر ہی نہ ہوسکے کہ یہ روایت کسی سبائی اور دشمن یزید کی ہے یا کسی غیر جانب دار منصف مزاج کی؟ جیسا کہ ابن کثیر کی زیر بحث روایت کا انداز ہے جس میں نام کے لئے یزید کی کچھ ایسی خوبیاں بھی گنا دیں جو یزید کے دینی کردار پر قطعاً اثر انداز نہ ہوئیں پھر ان کے ساتھ ہی ساتھ اسے پرلے درجہ کا عیاش و بدمعاش اور اوباش سب ہی کچھ تو کہدیا جسے "ماہرانِ فنِ سبائی" تو سمجھ گئے (اور انھوں نے ایسی روایت سے کام کی بات لے لی اور "پرفن" حصہ "کالائے بد" کے طور پر راوی ہی کو واپس کردیا) مگر ہمارے مولانا جیسے سیدھے سادے حضرات ابھی اسی اشکال میں مبتلا ہیں کہ اگر یہ روایت سبائی ہے تو اس کے جزوِ اول میں یزید کی مدح کیوں ہے اور اگر سبائی نہیں ہے تو اس کے جزوِ ثانی میں یزید پر قدح و تبرا کیوں ہے؟

لہٰذا ایسی صورت میں جب کہ مولانا کی نظر (انکی جلالت شان علم و منصب حکیم الاسلامی کے باوجود) سبائی و غیر سبائی روایتوں کے مابہ الامتیاز پر نہیں ہے کس طرح یہ تسلیم کرلیا جائے کہ اس سلسلے میں مولانا نے جو مساعی فرمائی ہیں وہ مشکور ہوکر "حقیقتِ واقعہ" سے ہمکنار بھی ہوئی ہونگی۔

(۳۷) ص ۱۳۹ و ۱۴۰ پر فرماتے ہیں کہ:۔

"بہر حال یزید کے فسق و فجور پر جبکہ صحابہ کرام سب کے سب ہی متفق ہیں خواہ مبائعین ہوں یا مخالفین پھر ائمہ مجتہدین بھی متفق ہیں اور ان کے بعد علماءِ راسخین، محدثین، فقہاء ــــ تو اس سے زیادہ یزید کے فسق کے متفق علیہ ہونے کی شہادت اور کیا ہوسکتی ہے؟ اس سے یہ بھی واضح ہے کہ یہ تاریخی نظریہ نہیں۔ بلکہ ایک فقہی اور کلامی مسئلہ ہے۔ مذہبی ریسرچ کو ذرا اور آگے بڑھا دیا جائے تو واضح ہوگا کہ فسق یزید کا مسئلہ کوئی اجتہادی مسئلہ بھی نہیں۔ بلکہ ایک منصوص مسئلہ ہے جسکی بنیادیں کتاب و سنت میں موجود ہیں۔"

مولانا کے یہ بلند بانگ دعوے حقیقت نفس الامری سے کس قدر دور ہیں، اس کا اندازہ تو ناظرین کو گذشتہ صفحات سے اچھی طرح ہوگیا ہوگا اس لئے دوبارہ یہاں کچھ عرض کرنا باعثِ تطویل ہی ہوگا۔ البتہ اس موقع پر مولانا سے صرف ایک فتویٰ دریافت کرنا ہے امید کہ جماعت دار العلوم کے تمام افراد خصوصاً مہتمم صاحب اور صدر مفتی صاحب پورے غور و خوض کے بعد فتویٰ صادر فرماکر عامۃ المسلمین کی رہنمائی اور اور "دینی ٹھیکہ داری" کا حق ادا فرمائینگے۔ استفتاء یہ ہے:۔

کیا فرماتے ہیں علمائے جماعت دار العلوم دیوبند اس مسئلہ میں کہ جو حضرات "فسقِ یزید" کے قائل نہ ہوں اور (بقول آپ کے) فسقِ یزید کے متفقہ بلکہ منصوص عقیدے کا انکار فرماتے ہوں ان کے بارے میں ہم لوگوں کو کیا عقیدہ رکھنا چاہئے۔ مثلاً حضرت عبد اللہ بن عباس اور حضرت محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہم (جن کے حالات نقل کئے جاچکے ہیں) یا حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ (جنھوں نے اس "فاسق" سے مختار ثقفی کی رہائی کے لئے سفارش کی، خلافت معاویہ ۳۲۲) یا ان کے صاحب زادے حضرت عاصم (جنھوں نے اپنی دختر حضرت ام مسکین کو اس "فاسق" کے نکاح میں دیا۔ خلافت معاویہ ص ۵۶) یا حضرت ابو ذرعہ دمشقی (جنھوں نے یزید کو طبقہ علیا میں شامل اور ان کی مروی احادیث کا بھی اقرار کیا۔ خلافت معاویہ ص ۵۴) اسی طرح حضرت احمد بن حنبل (جنھوں نے یزید کو منجملہ زاہدین صحابہ و تابعین شمار کیا ہے۔ خلافت معاویہ ص ۵۲) یا قاضی ابی بکر بن عربی (جن کی عبارتیں نقل ہوچکیں) یا شیخ عبد المغیث بن زہیر الحربی (جنھوں نے یزید کی فضیلت میں مستقل ایک کتاب ہی تصنیف فرمادی خلافت معاویہ ص ۵۵ و ۵۶)

ارشاد فرمائیے! یہ حضرات مذکورہ بالا اور دیگر حضرات جنھوں نے یزید کو فاسق نہ سمجھا ہو مسلمان تھے یا آپ کے مزعومہ "منصوص عقیدہ" کے انکار کی بنا پر نعوذ باللہ منہ کافر تھے؟

معلوم ہوتا ہے کہ "بغض ابن معاویہ رض" کے جذبے سے مغلوب ہوکر مولانا نے یزید کو فاسق و بددین ٹھیرانے کے لئے اپنی ساری

فکری صلاحیتیں صرف فرما دیں اور یہ غور نہ فرمایا کہ اس مذہبی ریسرچ کو ذرا اور آگے بڑھانے کے دُور رس نتائج اس حد تک غلط بھی ہو سکتے ہیں اور سبائی روایتوں پر یقین کر کے گمنام و بے نام "عام صحابہ" کو فسقِ یزید کا قائل دکھلانے کا مطلب یہ بھی ہو سکے گا کہ حضرت عبداللہ بن عباس حضرت عبداللہ بن عمر حضرت محمد بن حنفیہ حضرت عاصم جیسے جلیل القدر حضرات کے ایمان کی نعوذ باللہ منہ خیر منانی پڑ جائے گی۔

(۳۸) صفحہ ۱۴۶ پر فرماتے ہیں کہ:-

> "اس سے متعین ہو گیا کہ جس امارتِ صبیان سے ابوہریرہؓ پناہ مانگتے تھے اور ۶۰ھ کے جن صبیان کی بدعملی اور شہوت رانی حدیث ابوسعید خدری میں مذکور تھی وہ یہی امارت تھی جس کا اولین سربراہ یزید تھا عمر بلوغ کی تھی مگر عقل و تدبیر اور دین کے لحاظ سے نابالغ اور صبی تھے۔"

مولانا کو اس "متعین" فیصلے و نتیجہ تک پہنچنے کے لئے کتنے زینے طے کرنے پڑے ہیں تا وقتیکہ ان زینوں کو ہم بھی نہ طے کر لیں اس نتیجے کی صحت و درستی کے بارے میں کچھ کہنا قبل از وقت ہے اسلئے پہلے ان زینوں کو ہی طے کرنا مناسب ہے۔ مولانا کا پہلا زینہ بخاری کتاب الفتن کی یہ حدیث ہے:-

> "فرمایا ابوہریرہ نے میں نے صادق و مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ میری امت کی ہلاکی چند قریشی لڑکوں کے ہاتھوں ہوگی" (بخاری شریف کتاب الفتن صفحہ ۱۰۴۶ ج ۲)

جہانتک اس حدیث شریف کے الفاظ کا تعلق ہے وہ بالکل غیر واضح اور مبہم تھے جس کی بنا پر مولانا کو اس نتیجہ تک پہنچنے کے لئے دوسرے زینے طے کرنے ضروری تھے لیکن اپنی بات کو وزن دار اور ناظرین کو مرعوب کرنے کے لئے بخاری کا نام لینا بھی ضروری تھا اس لئے یہ روایت ذکر فرما دی۔ لیکن تعجب تو یہ ہے کہ مولانا کو بخاری کتاب الفتن کی یہ حدیث تو نظر پڑی (جو یزید کے بارے میں واضح بھی نہ تھی) مگر اسی کتاب الفتن بخاری کی یہ حدیث جو یزید کے بارے میں مخصوص بھی تھی) نظر نہ پڑی جسے عباسی صاحب نے اپنی کتاب میں نقل کیا تھا کہ:-

> "حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے متعلقین کو جمع کیا اور فرمایا کہ ہم نے اس شخص (یزید) سے اللہ و رسول کی بیعت کر لی ہے۔ اگر مجھے معلوم ہوا کہ تم میں سے کسی نے اس کی بیعت توڑ دی یا اس شورش میں شریک ہوا تو پھر میرا اور اس کا تعلق ہمیشہ کے لئے منقطع ہو جائے گا۔" (خلافت معاویہ و یزید صفحہ ۲۳۲)

دوسرا زینہ مولانا کا ابن بطال کی نقل کے مطابق ابن ابی شیبہ کی وہ روایت ہے جس میں کہا گیا ہے کہ:-

> "رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑکوں کی حکومت سے پناہ مانگی اور اس کے بارے میں یہ بھی فرمایا کہ اگر تم ان کی اطاعت کرو گے تو دین کے لحاظ سے ہلاک ہو جاؤ گے اور ان کی نافرمانی کرو گے تو تمہاری دنیا (جان و مال) تباہ ہو گی۔" (مختصراً) (شہید کربلا اور یزید)

اگر بقول مولانا اس حدیث کے امیر کا مصداق یزید ہے اور غیر مطیع حضرت حسین ہیں (جن کو اپنی نافرمانی کی بناء پر جان سے ہاتھ دھونا پڑا) تو لا محالہ اس کے مطیعین وہ کثیر التعداد حضرات صحابہؓ بھی ہوں گے (جنھوں نے یزید کی اطاعت کر لی تھی) اس صورت میں مولانا کو اپنا کلیجہ تھام کر اس کے لئے بھی تیار رہنا ہوگا کہ وہ ان مطیعین صحابہ کے لئے "دینی ہلاکت" کا فتویٰ صادر فرمائیں پھر اسی پر بس نہیں بلکہ مولانا کو اپنے اور سبائیوں کے درمیان فرق بھی ظاہر کرنا ہوگا جو اسی طرح بڑی آسانی سے عام صحابہ کرامؓ کو نعوذ باللہ منہ کافر و مرتد اور بے دین قرار دیتے ہیں۔

تیسرا زینہ مولانا کا اسی ابن ابی شیبہ کی یہ روایت ہے کہ:-

> "حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بازاروں میں چلتے پھرتے کہتے تھے کہ اے اللہ ۶۰ھ کا زمانہ مجھے نہ پائے اور لڑکوں کی حکومت کا زمانہ بھی مجھے نہ پائے۔۔۔"

اس حدیث میں ۶۰ھ سے اور لڑکوں کی حکومت سے پہلے ہی موت کی خواہش کی گئی ہے مگر وجہ کچھ بھی نہیں ظاہر کی گئی اگر اس کی وجہ بھی وہی "دینی ہلاکت" ہے تو پھر اشکال بھی وہی ہوگا جو اوپر مذکور ہوا ورنہ میرے خیال میں اگر یہ روایت

صحیح ہو تو مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس بنا پر پناہ مانگی ہو کہ وہ آزمائش و فتنہ کا وقت ہوگا، مسلمانوں کی خانہ جنگی و خونریزی ہوگی جس سے دُور ہی رہنا بہتر اور اسلم ہے اس لئے اس حدیث سے فسقِ یزید پر کوئی روشنی نہیں پڑتی۔

چوتھا زینہ مولانا کا ابن کثیر کی نقل کردہ حضرت ابو سعید خدری کی یہ روایت ہے کہ :-

"میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ۶۰ھ کے بعد ایسے خلف ہوں گے جو نمازوں کو ضائع کریں گے اور شہواتِ نفس کی پیروی کریں گے وہ عنقریب غی (وادیِ جہنم) میں ڈال دیئے جائیں گے۔"

اس حدیث کے سلسلے میں اوّل تو کہنا یہ ہے کہ یہ حدیث مذکورہ بالا حدیث سے متعارض ہے اوپر کی حدیث میں ۶۰ھ کا زمانہ وارد ہوا اور اس میں ۶۰ھ کے بعد کا زمانہ بتایا گیا جس کا مصداق ۶۰ھ کے بعد سے لیکر ۷۰ھ تک کا کوئی سال بھی ہو سکتا ہے۔ دوسری بات یہ کہنی ہے کہ اس حدیث میں ایسا کوئی لفظ نہیں ہے جس سے یہ ظاہر ہو کہ یہ کسی امیر کی نشاندھی کرتی ہے اس میں تو "خلف" کا لفظ آیا ہے اور یہ لفظ ہر بعد کو آنے والے کے لئے بولا جا سکتا ہے اس لئے اس سے صرف حاکم مراد لینا اچھی خاصی زبردستی ہے۔ علاوہ ازیں اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ اس سے مراد ۶۰ھ ہی ہے تو پھر حضرت عبد اللہ بن عباس اور حضرت محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہما کی شہادت موجود ہوتے ہوئے یزید کو تارکِ صلوٰۃ اور عیاش و بد معاش قرار دے کر اس حدیث کا مصداق بنانا کتمانِ شہادت اور حق پوشی کے ساتھ ساتھ زبردست بہتان طرازی اور صریح ظلم ہے۔

غرضکہ حدیث بخاری میں آئے ہوئے لفظ "غلمہ" کا مصداق یزید کو قرار دینے کے لئے مولانا نے تین زینے جو اور تعمیر فرمائے اس قدر کمزور ثابت ہوئے کہ صحیح طور پر انکو "اخبار آحاد" کا درجہ بھی نہیں دیا جا سکتا، چہ جائے کہ

ان کے ذریعہ سے کسی عقیدہ کو وضع کرنے کی ہمت کی جائے اس موقعہ پر بے ساختہ وہ مصرعہ لکھنے کو جی چاہتا ہے جو حضرت مولانا گنگوہی علیہ الرحمہ نے حضرت مولانا شیخ محمد صاحب محدث تھانوی علیہ الرحمہ کے ایک فتوے پر تبصرہ فرماتے ہوئے تحریر فرمایا تھا مشہور مصرعہ ہے :-

گرتے ہیں شہسوار ہی میدانِ جنگ میں

(۳۹) صفحہ ۱۴۵ پر فرماتے ہیں کہ :-

"کون نہیں جانتا کہ آج کی حکومتِ ہند کلیدی عہدوں پر سوائے ہندوؤں کے دوسری قوموں کے افراد بالخصوص مسلمانوں کو رکھنے کی روادار نہیں لیکن بین الاقوامی اور بالخصوص اسلامی دنیا کا منہ بند کرنے کے لئے چند گنے چنے نام مسلمانوں کے بھی رکھ چھوڑے ہیں ـــ دنیا ان کی عدد شماری دیکھ کر سمجھتی ہے کہ شاید ساری حکومت ہند پر مسلمانوں کا قبضہ ہے ـــ اسی پر عباسی صاحب کی اس صنعت گری کو قیاس لیا جائے کہ انھوں نے بھی مجموعی طور پر اکابر کے کچھ ناموں کی فہرست پیش کر کے حکومت یزید کی صفائی پیش کر دی"

مولانا نے حکومتِ ہند کی مثال کچھ زیادہ موزوں نہیں دی۔ کیونکہ اس میں مختلف مذاہب کی نمائندگی کی بنا پر کچھ واقعی پیچیدگی بھی ہو جاتی ہے اس لئے اس مثال سے عباسی صاحب کی صنعت گری واضح نہیں ہوتی اچھا ہوتا کہ مولانا "آپ بیتی" ہی بیان فرماتے یعنی اپنے دار العلوم کی مجلس شوریٰ کی مثال کو سامنے رکھتے جس میں عرصہ تک حضرت تھانویؒ، حضرت رائپوریؒ، حضرت مولانا الیاس صاحب کاندھلویؒ (وغیرہم من الاکابر) کے نام لوگوں کو متأثر و مرعوب کرنے کے لئے محض برائے نام سر فہرست شائع کر دیئے جاتے تھے اور خفیہ ترکیبیں اس کے لئے ہوتی رہتی تھیں کہ کسی طرح یہ اکابر دار العلوم کا پیچھا چھوڑ دیں تو مدرسہ کو من مانے طور پر چلایا جائے۔

جہاں تک میری عقل کام کرتی ہے یہ مثال زیادہ

موزوں ومنطبق ثابت ہوتی کہ سب ایک ہی مسلک ومذہب کے افراد تھے اور محض صغرسنی وکبرسنی یا بجنوری وغیر بجنوری قسم کا فرق تھا اور مولانا کے ارشاد کے مطابق اسی قسم کی صنعت گری یزیدی حکومت میں ہوتی تھی اس لئے یہ مثال زیادہ مناسب ہے۔ ویسے مولانا کو اختیار ہے وہ چاہیں تو قریب ہی کی مثال دیں یا دہلی کی مثال دینے اتنی دُور جائیں۔

(۴۰) صـ۱۴۹ پر فرماتے ہیں کہ:۔

"لیکن یہ عنوان جہاں واقعہ کے خلاف ہے وہیں قول رسول کا معارضہ بھی ہے جس میں اس حکومت کو "امارۃ الصبیان" کہا گیا ہے اور ذاتی اور اجتماعی تباہ کاریوں کی فہرست پیش کردی ہے۔"

اگر "قول رسول کا معارضہ" ہونا پایۂ ثبوت کو نہ پہنچ سکا تو کیا ہوگا۔ مولانا اگر اس صورت کے لئے کوئی مفر رکھتے ہوں تو خیر ورنہ مناسب یہی ہے کہ وہ اپنا کوئی مفر تلاش فرمائیں اور حدیث من کذب علی متعمداً الحدیث (جو شخص دانستہ میری طرف کوئی غلط بات منسوب کرے وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے) کو کسی حال میں فراموش نہ فرمائیں۔

(۴۱) صـ۱۵۱ پر فرماتے ہیں کہ:۔

"جیسے ابو عبیدہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ آپ نے فرمایا کہ "میری امت کا امر وحکم عدل کے ساتھ قائم رہے گا۔ یہاں تک کہ پہلا وہ شخص جو اسے تباہ کرے گا بنی اُمیّہ میں سے ہوگا جسے یزید کہا جائے گا۔" لیکن ہم نے اس قسم کی روایتوں اس لئے پیش نہیں کیا کہ ان کی سندوں میں کلام کیا گیا ہے۔"

نماز میں بولنے کے باوجود "من نہ بولیدم" کہنا بیوقوفوں کی حکایت میں تو مشہور تھا مگر ازراہ ہوشیاری وعقلمندی کسی روایت کو ذکر کرکے یہ فرمانا کہ "ہم نے اس قسم کی روایتوں کو اسلئے پیش نہیں کیا کہ ان کی سندوں میں کلام کیا گیا ہے۔" ہر ایک سے شاید بن نہ پڑے۔

مولانا نے شاید غور نہیں فرمایا کہ جن احادیث کو اس وضعی حدیث سے علیحدہ سمجھ کر مولانا نے اُوپر ذکر فرمایا اور نتیجہ تک رسائی کے لئے زینہ بنایا ہے، ممکن ہے وہ بھی اسی وضعی حدیث کی ابتدائی کڑیاں ہوں اور اس صاف وصریح اور نام ونسب پر مشتمل حدیث کو صحیح باور کرانے کے لئے زمین ہموار کرنے کی خاطر مشہور کی گئی ہوں تاکہ اس تدریجی تصریح وتشریح کی وجہ سے کسی کو وضع حدیث کا شبہ بھی نہ ہو۔

(۴۲) صـ۱۵۵ پر فرماتے ہیں کہ:۔

"اس سے نہیں انکار کیا جاسکتا کہ جیسے اس حدیث کا عموم اسے مقبولین میں داخل کر رہا ہے ویسے ہی بخاری وغیرہ کی دوسری احادیث کا عموم اسے اس مقبولیت سے خارج بھی کر رہا ہے۔"

سمجھ میں نہیں آتا کہ یزید کی مغفرت سے مولانا کو اپنے کس نقصان کا اندیشہ ہے کہ ان کو حدیث مغفرت میں یزید کا شمول بھی پسند نہیں اور وہ محض بخاری کا نام لیکر ہی مغفرتِ یزید کی نفی فرما دینا چاہتے ہیں۔ حالانکہ مغفرت کا ظہور تو حشر میں ہونا ہے اور کفر وشرک کے سوا جملہ معاصی مغفرت کا محل ہو سکتے ہیں۔ اس لئے اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ بقول مولانا "امارتِ صبیان" والی حدیث کا مصداق یزید ہی ہے تو بھی سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس کے باوجود یزید کی مغفرت ممکن ہے یا نہیں اگر کہا جائے کہ مغفرتِ یزید ممکن نہیں تو یہ بات تو بالکل صریح البطلان ہے۔ لہذا یہ متعین ہوگیا کہ مغفرتِ یزید ممکن ہے اور جب مغفرت ممکن ہوئی تو پھر کیا مضائقہ ہے کہ اس کو حدیث مغفرت میں شامل مان کر مغفور لہم کا ایک فرد مان جائے۔

(۴۳) صـ۱۵۶ پر فرماتے ہیں کہ:۔

"اسی طرح یہاں بھی جہادِ قسطنطنیہ کے سبب شرکا کے لئے وعدۂ مغفرت عام ہے مگر اسی طبعی شرط کیساتھ کہ یہ لوگ انھی قلبی کیفیات واحوال اور باطنی نیات وجذبات پر باقی رہیں ــــ لیکن اگر کسی کے قلبی احوال بگڑ جائیں اور تقویٰ کے وہ مقامات باقی نہ رہیں جو بوقتِ جہاد تھے تو طبعاً وہ حکم المغفرت۔ خاص فرد کے حق میں باقی نہ رہے گا۔"

مولانا کی اس عبارت کو پڑھ کر یزید کی وکالت کا خیال تو دل سے نکل گیا۔ البتہ خود اپنی فکر پڑ گئی کہ خدا نہ کرے وہ اگر اللہ تعالیٰ نے مولانا جیسے کسی شخص کے سپرد خفیہ انکوائری کر دی اور اس اللہ کے بندے نے بھی اسی طرح قلبی کیفیات و احوال اور باطنی نیات و جذبات اور تقویٰ کے مقامات دیکھ دیکھ کر مغفرت کا سرٹیفکٹ دینا شروع کیا تو پھر شاید جہنم کو بھی "ہل من مزید" کہنے کی نوبت نہ آئے گی نعوذ باللہ منہا۔

(۴۴) ص۱۵۷ پر فرماتے ہیں کہ:۔

"ٹھیک اسی طرح جہاد قسطنطنیہ والی حدیث بشارت مغفرت کے عموم میں یزید بھی شامل تھا جسکے معنی یہ تھے کہ اس کے اس وقت کے احوال و اعمال مقبول یا مغفور تھے — جب وہ بدلے تو طبعاً وہ بشارت بھی اس کے حق میں باقی نہ رہی — پس جب یزید کا حال اچھا تھا بشارت قائم تھی جب بدل گیا تو بشارت بھی اُٹھ گئی۔ اب سوال اگر رہ جاتا ہے تو یہ کہ آیا یزید کے احوال بدلے یا وہی سابقہ باقی رہے؟ تو اس کا فیصلہ تاریخ نے کر دیا ہے کہ بدل گئے۔"

مولانا کے ارشاد کی تردید میری طرف سے نہ تو مفید ہی زیادہ ہو سکتی ہے اور نہ مناسب ہی ہو گی اس لئے بہتر یہی ہے کہ ہمارے ناظرین مولانا ہی کے قلم سے اس کی تردید بھی ملاحظہ فرمائیں۔ اپنی کتاب کے ص۱۵۹ پر خود مولانا فرماتے ہیں کہ (اس وقت یزید کے وہ حالات ظاہر نہ تھے جو بعد میں ظاہر ہوئے — جن جن حضرات نے اس وقت اس کی ولیعہدی کو تسلیم کیا وہ بھی یزید کے "سر مکنون" کے ظاہر نہ ہونے کے سبب حق بجانب تھے)۔

اور ص۱۶۱ پر مولانا حضرت مدنیؒ کی یہ عبارت نقل فرماتے ہیں کہ (اس کے فسق و فجور کا علانیہ ظہور ان (حضرت معاویہؓ) کے سامنے نہ ہوا تھا اور خفیہ بد اعمالیاں وہ جو کرتا تھا اس کی ان کو اطلاع نہ تھی)۔

ظاہر ہے کہ ان عبارات کا صاف مطلب یہی ہے کہ یزید فاسق فاجر تو روز اوّل ہی سے تھا، لیکن خفیہ طور پر فسق و فجور کیا کرتا تھا جو تمام حضرات سے پوشیدہ تھا مگر خلیفہ ہونے کے بعد وہ خوب کھل کھیلا۔ تو اب سوال یہ ہے کہ جب وہ پیدائشی اور مادر زاد فاسق تھا تو حدیث بشارت میں شامل ہونے کا مستحق تو وہ کسی وقت بھی نہیں تھا۔ لہذا یہ طول طویل بحثیں آخر کس لئے ہیں کہ وہ پہلے تو حدیث بشارت میں داخل تھا مگر بعد کو خارج ہو گیا۔ ہمارے مولانا نے جب اس کا "سر مکنون" تلاش فرما لیا تو اب یہ فرمانا کہ پہلے اس کے حالات اچھے تھے بعد کو بدل گئے بالکل بے تکی بات ہے۔

(۴۵) ص۱۶۰ پر فرماتے ہیں کہ:۔

"اس سے بھی زیادہ واقعات سے اقرب اس حدیث کی تشریح یہ ہے کہ جہادِ قسطنطنیہ سے یزید کی سابقہ سیأت کی مغفرت کر دی گئی تو وہ مغفور لھم میں حقیقتاً داخل ہو گیا، لیکن بعد کی سیأت کی مغفرت کا اس میں کوئی وعدہ نہیں تھا "مغفور لہم" کو ایسا ابدی حکم سمجھنا کہ یزید کے مرتے دم تک کے تمام فسق و فجور کی مغفرت ہو گئی — محض ذہنی اختراع ہے حدیث کا مدلول نہیں۔"

مولانا نے اس کو تو ذہنی اختراع فرما دیا مگر اپنی تصنیف فرمودہ توجیہہ کے لئے کچھ نہ فرمایا۔ حالانکہ مولانا کی توجیہہ بھی صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ اس حدیث مغفرت میں تو مغفرت کو مطلق رکھا گیا ہے جس کا ظاہر اور متبادر مطلب یہی ہے کہ یہ مغفرت تمام سیئات کے لئے ہو گی اور اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس مغفرت کو مقید و محدود فرمانا چاہتے تو وہی عنوان اختیار فرماتے جو اس قسم کی بعض دوسری احادیث میں موجود ہے۔ مثلاً فرماتے کہ قسطنطنیہ کے جہاد میں شرکت ماقبل یا ماضی کے لئے مغفرت ہے۔

مولانا اگر ذرا سی تکلیف فرما کر بخاری شریف اور فتح الباری ملاحظہ فرما لیتے یا عباسی صاحب ہی کی کتاب کو

غور سے دیکھ لیتے تو ان کو دوسری حدیثِ بشارت کے یہ الفاظ بھی مل جاتے:۔

اول جیشٍ من امتی یغزون البحر قد اوجبوا۔	میری امت کی پہلی فوج جو بحری جہاد کریگی اُس پر جنت واجب ہوگی (بخاری شریف صہ۱۲ بحوالہ خلافت معاویہ و یزید صہ۲۴)

اور عباسی کی نقل کے مطابق فتح الباری میں اسکی تشریح یہ ہے (ای وجبت لھم بہ الجنۃ) اس تشریح کے مطابق تو تمام شرکاء جہاد کے لئے جنت واجب ہوگئی اور بقول ابن تیمیہ اس فوج کا ہر شخص مغفرت میں شامل تھا اور چونکہ یہ ارشادِ نبوی پیش گوئی کے طور پر واقع ہوا ہے اس لئے اس میں تخلف بھی ممکن نہیں۔ چنانچہ اسی بناء پر حافظ ابن کثیر اس کو منجملہ دلائل نبوت ذکر فرماتے ہیں، لہٰذا ماننا پڑے گا کہ اگر یزید اس فوج میں شامل تھا تو اس حدیث کی رو سے وہ بھی جنتی ہے اس کے لئے بھی مغفرت و جنت واجب ہے اب رہا یزید کی شرکتِ جہاد کا ثبوت تو یہ شرکت ایسی واقعی اور یقینی ہے جس کا انکار نہیں بن پڑا بلکہ ابن تیمیہ نے تو یہاں تک فرمادیا کہ اسی حدیثِ بشارت کی خاطر یزید نے قسطنطنیہ پر جہاد کیا تھا۔ (منہاج السنۃ بحوالہ خلافت معاویہ (۲۴۶) صہ۱۶۱ پر فرماتے ہیں کہ:۔

"پھر اسی صنّاعی سے عباسی صاحب نے حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی وہ عبارت تو نقل کردی جو انھوں نے امیر معاویہ کے انتخابِ ولیعہدی پر ان سے ملامت دفع کرنے کے لئے تحریر فرمائی اور اس میں یزید کے بھی اس وقت کے اچھے حالات پر روشنی ڈالی کہ "جسکہ خود استنبول (قسطنطنیہ) پر بڑی افواج سے حملہ کرنے وغیرہ میں (یزید) کو آزمایا جاچکا تھا۔ تاریخ شاہد ہے کہ معارکۂ عظیمہ میں یزید نے کارہائے نمایاں انجام دیئے الخ"۔ (خلافت معاویہؓ

لیکن حضرت مولانا ہی کی آگے کی عبارت چھوڑ گئے جو یزید کے فسق و فجور سے متعلق تھی کہ:۔

"اس کے فسق و فجور کا علانیہ ظہور ان (حضرت معاویہؓ) کے سامنے نہ ہوا اور خفیہ جو بداعمالیاں وہ کرتا تھا اس کی ان کو اطلاع نہ تھی"۔ (مکتوبات شیخ الاسلام صہ۲۶-۲۶۸)

ہمارے مولانا نے عباسی صاحب کی صنّاعی دکھانے کیلئے جو کوشش فرمائی وہ کچھ اس قسم کی ہے جس کے لئے فارسی میں "دیگراں را نصیحت و خود را فضیحت" کہا جاتا ہے۔ یعنی ہوا یہ کہ حضرت مدنی کا جو اقتباس عباسی صاحب نے پیش کیا تھا اس کو اپنے نظریہ کے خلاف دیکھ کر مولانا نے فوراً حضرت مدنیؒ کا ایک دوسرا اقتباس پیش فرمادیا مگر اس صنعت گری کے ساتھ کہ مولانا مدنیؒ کا جو اقتباس عباسی صاحب نے پیش کیا تھا اُس کے آخری جملے ہمارے مولانا کو بہت زیادہ خلاف نظر آئے تو انھیں نظرانداز فرمادیا چنانچہ عباسی صاحب کے اقتباس میں ہم کو مولانا مدنیؒ کے یہ جملے بھی نظر آتے ہیں "خود یزید کے متعلق بھی تاریخی روایات مبالغہ اور آپس کے تخالف سے خالی نہیں"۔ جن کو مولانا نے اپنے نظریۂ منصوبہ کے خلاف دیکھ کر اپنی کتاب میں نقل کرنا ہی مصلحت نہ جانا۔

اب حضرت مدنی نے جو کچھ ارشاد فرمایا ہے اس کے متعلق بھی سن لیجئے کہ حضرت مدنیؒ نے جو کچھ فرمایا ہے اس کی حیثیت ایک توجیہ سے زائد نہیں ہے جیسا کہ حضرت شاہ صاحب دہلوی اور حضرت نانوتوی و گنگوہی علیہم الرحمۃ کے لئے بھی پہلے عرض کیا جاچکا ہے اور اس کے توجیہ ہونے کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ حضرت گنگوہیؒ تو جو کچھ فرماتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ یزید حضرت امیر معاویہؓ کی حیات میں اچھا تھا بعد کو اس کے حالات بدلے اور حضرت مدنیؒ یہ فرماتے ہیں کہ یزید کے حالات بُرے تو شروع ہی سے تھے مگر پہلے اس کی بداعمالیاں خفیہ ہوتی رہیں جن کی اطلاع لوگوں کو نہ تھی ان کا ظہور بعد کو ہوا۔ ان حضرات کے ارشادات میں یہ صریح تعارض اس کی کھلی دلیل ہے کہ ان کے فرمودات توجیہ محض ہیں اور ان توجیہات کو حدیثِ بشارت سے یزید کو خارج کرنے کے لئے استعمال کرنا بھی صحیح نہیں، کیونکہ حدیثِ بشارت سے یزید کا اخراج نہ تو علامہ عینی کے بس کا ہے اور نہ قسطلانی و ابن منیرہی کے اختیار میں ہے اور نہ مولانا کی "جماعت دارالعلوم" ہی کو جنت کی گیٹ کیپری سپرد کی گئی ہے۔ کیا خبر جہادِ قسطنطنیہ اپنی مخصوص اہمیت کی بناء پر یہ خصوصیت بھی رکھتا ہو کہ اسمیں

شرکت کرنے والوں کی مغفرت اللہ تعالیٰ نے واجب ہی فرمادی ہو۔ پھر یہ توجیہہ بھی اس وقت ہے جب کہ یزید کے "کردارِ قبیح" کے سارے افسانے کچھ حقیقت بھی رکھتے ہوں ورنہ "آں را کہ حساب پاک از محاسبہ چہ باک" (یعنی جب کہ نہیں تو ڈر کیا)

(۷۷) صفحہ ۱۶۳ پر فرماتے ہیں کہ:-

"اس عبارت سے واضح ہے کہ مہلب اور دوسرے لوگ جنھوں نے یزید کی فضیلت یا خلافت پر اس حدیث سے استدلال کیا ہے وہ ابن منیر اور قسطلانی کی نگاہوں میں مشتبہ اور مخدوش ہیں جس کو انھوں نے بنی اُمیہ کی حمایتِ بیجا پر محمول کیا ہے۔"

تعجب ہوتا ہے کہ آخر مولانا کے قلب مبارک تک سبائی پروپیگنڈہ کس طرح پہنچکر ایسا جاگزیں ہو گیا کہ وہ "بغضِ ابن معاویہ" میں اس طرح مبتلا ہو گئے کہ کسی اچھی بری بات کی تمیز تک نہیں فرما سکتے اور جو بات بھی ان کو مفید مطلب ملجاتی ہے اس کو نقل فرمانے میں ادنیٰ تامل سے بھی کام نہیں لیتے مثلاً ابن منیر و قسطلانی وغیرہ کا یہ فرمانا کہ "مہلب وغیرہ نے اس حدیث سے یزید کی فضیلت پر جو استدلال کیا ہے اس کا منشا بنی اُمیہ کی بیجا حمایت ہے۔" ظاہر ہے کس درجہ رکیک اور سخیف بات ہے کیونکہ اس کے جواب میں بہت آسان ہے کہ ترکی بہ ترکی یہ کہدیا جائے کہ ابن منیر اور قسطلانی نے یزید کو حدیثِ بشارت سے خارج کرنے کے لئے جو کچھ کہا ہے وہ یزید کی بیجا دشمنی اور بنو عباس کی بیجا حمایت میں کہا ہے یا سبائیوں کے پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر کہا ہے جس کا مزید ثبوت یہ ہے کہ ان حضرات نے اپنے کلام میں یزید کو کافر و مرتد تک فرض کر لیا ہے۔ اب اگر بقول مولانا اسکے کلام کو حدیثِ رسول کا معارضہ کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔ کیونکہ ایک شخص کے لئے (بالفرض وہ بڑا زبردست گنہگار بھی ہو) رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم تو یہ فرمائیں کہ جہادِ قسطنطنیہ کی وجہ سے اس کی مغفرت ہو جائے گی یا اس کے لئے جنت واجب ہو جائے گی۔ اور ابن منیر و قسطلانی اس کی بے جا دشمنی میں یہ فرمائیں کہ یہ شخص مرتد و کافر ہے۔ کبرت

کلمۃً تخرج من افواھھم (بڑی بھاری بات ہے جو ان کے منہ سے نکلتی ہے) گمان یہ ہے کہ ہمارے مولانا کو بھی ابن منیر و قسطلانی کی یہ بات گراں محسوس ہوئی تو انھوں نے یہ توجیہہ فرمائی کہ "پس اگر یزید اسلام سے مرتد نہیں ہوا تو بتصریح مورخین اسلام ان عمدہ کیفیات و احوال سے تو ضرور مرتد ہو گیا جو غزوۂ قسطنطنیہ کے وقت اس میں مان لی جائیں کہ تھیں اس لئے ان کیفیاتِ سابقہ کا حکم بھی اس کے حق میں باقی نہ رہا جو عموم بشارت سے قائم ہوا تھا۔" صفحہ ۱۶۲

مولانا کی اس توجیہہ کو اگر عذر گناہ بدتر از گناہ کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا یعنی ابن منیر و قسطلانی نے تو نفس ایمان ہی کی نفی کا دعویٰ فرما کر اس حدیث بشارت سے یزید کو خارج کیا تھا جو اصولی طور پر تو صحیح تھا مگر کلام صرف اسمیں تھا کہ یزید کو کافر و مرتد کس طرح کہا جائے گا جبکہ وہ کافر و مرتد ہوا ہی نہ تھا۔ لیکن ہمارے مولانا نے تو اپنا معیار اور سخت فرما دیا اور کیفیات و احوال کے لحاظ سے بھی ارتداد کی ایک نئی شکل نکال کر یزید کے حکم ارتداد پر "جماعت دار العلوم" کی بھی مہر تصدیق ثبت فرمادی۔ ع

اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ

(۷۸) صفحہ ۱۶۴ پر فرماتے ہیں کہ:-

"ورنہ ہر نیک اور متقی یا "مغفور لہ" کو خلیفۃ المسلمین بھی ہونا چاہیئے۔"

من ضحک ضُحِکَ جو دوسروں پر ہنستا ہے اسکی بھی ہنسی اُڑائی جاتی ہے۔ مولانا مہلب کو اپنی ہنسی کا نشانہ بنا رہے ہیں مگر کیا مولانا اس کے لئے بھی تیار ہیں کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے خلافت کا جو دعویٰ فرمایا تھا اور حضرات صحابہ سے اپنی فضیلت و حق پر جو استشہاد فرمایا تھا اس کا منشا کیا تھا؟ کیا اس کا منشا یہی نہیں تھا کہ میں نیک اور متقی یا مغفور لہ ہونے کی وجہ سے خلافت کا زیادہ مستحق ہوں۔ ظاہر ہے کہ اس انداز سے دعوے اور استشہاد کا مطلب یہی تھا تو اب اس کی جواب دہی مولانا ہی کے ذمہ ضروری ہے کیونکہ اس استشہاد کو بڑے

زور و شور کے ساتھ مولانا نے اپنی کتاب کے صفحات ۸۱ و ۸۲ پر نقل فرمایا ورنہ عباسی صاحب تو بقول ابن خلدون افضل کو چھوڑ کر مفضول کے خلیفہ بنانے کو صحیح مانتے ہیں۔

(۴۹) صفحہ ۱۶۵ پر فرماتے ہیں کہ:-

"ساتھ ہی یہ بھی ملحوظ خاطر رہے کہ صاحب عمدۃ القاری شارح بخاری نے مہلب کی اس مدح سرائی اور حمایتِ یزید پر نکتہ چینی کرتے ہوئے اسے تسلیم ہی نہیں کیا کہ قسطنطنیہ کے جس غزوہ میں اکابر صحابہؓ شریک ہوئے تھے وہ یزید کی قیادت میں ہوا تھا، جبکہ یزید اس کا اہل ہی نہ تھا کہ یہ اکابر صحابہ اس کی خدمت اور قیادت میں دیدیئے جائیں۔"

اس تمہید کے بعد مولانا نے عینی (یعنی عمدۃ القاری) کی عبارت نقل فرمائی جس میں "صاحب مرآۃ" سے نقل کیا گیا ہے کہ "زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ یزید بن معاویہ نے قسطنطنیہ کا غزوہ ۵۲ھ میں کیا اور (ضعیف روایت کے طور پر) کہا گیا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے قسطنطنیہ پر چڑھائی کے لئے ایک لشکر بھیجا جس کے امیر سفیان بن عوف تھے۔"

چند سطروں کے بعد اسی عبارت میں کہا گیا ہے کہ "میں کہتا ہوں کھلی ہوئی بات یہ ہے کہ ـــــ یہ اکابر صحابہؓ اس سفیان بن عوف کے ساتھ تھے یزید کے ساتھ نہ تھے کیونکہ یزید اس کا اہل نہ تھا کہ یہ بڑے بڑے صحابہؓ اس کی خدمت میں رہیں۔"

اس موقع پر بھی مولانا نے تھوڑی سی صناعی فرمائی ہے اور اس رویئے کو صاحب مرآۃ کی طرف منسوب کرنے کے لئے "میں کہتا ہوں" کے بعد بین القوسین "صاحب المرآۃ" کا اضافہ فرمادیا۔ حالانکہ یہ کھلی ہوئی غلط بات علامہ عینی کی تھی مگر علامہ عینی کی طرف اس کی نسبت ہونے سے اس کا وزن شاید کچھ کم ہو جاتا اس لئے مولانا نے اس توجیہہ کو صاحب مرآۃ کے سر رکھنا ہی مناسب خیال فرمایا اور یہ نہ سوچا کہ یہ توجیہہ صاحب مرآۃ کی کس طرح ہو سکتی ہے جب کہ اسی عبارت میں صاحب مرآۃ سے اوپر یہ نقل کیا گیا ہو کہ "زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ یزید بن معاویہ نے قسطنطنیہ کا غزوہ ۵۲ھ میں کیا" اور اسی عبارت میں یزید کی جگہ سفیان بن عوف کا جانا صیغۂ تمریض کے ساتھ ضعیف روایت کے طور پر نقل کیا گیا ہے بلکہ خود مولانا بھی صفحہ ۱۶۸ پر اسی کو علامہ عینی کا قول تحریر فرمایا ہے اب جب کہ مولانا خود ہی اپنی تردید فرمانے میں تامل نہیں فرماتے تو دوسرے لوگ کس طرح چوک سکتے ہیں۔

(۵۰) صفحہ ۱۶۸ پر فرماتے ہیں کہ:-

"پھر یہ شرکت کس نوعیت کی تھی؟ سو اس پر ابن اثیر نے روشنی ڈالدی ہے کہ یزید اس جہاد میں خود اپنے داعیہ سے شریک نہیں ہوا بلکہ اپنے والد بزرگوار کے حکم سے اور انھوں نے یہ حکم بھی اسے اگر دیا تو تعزیراً دیا تاکہ اس کی عیش پرستی پر کوئی زد پڑے۔"

مولانا کو "بغض ابنِ معاویہؓ" سے مجبور ہو کر اسے کافر، مرتد اور جہنمی ثابت کرنے کے لئے سارے ہی جتن تو کرنے پڑ رہے ہیں۔ چنانچہ جب اور باتوں سے کام چلتا نہیں دکھائی دیا اور یزید کی امارت و شرکتِ جہاد ناقابل انکار ٹھیری تو مولانا کو ضرورت محسوس ہوئی کہ یزید کی شرکتِ جہاد کی نوعیت پر غور فرمائیں اس سلسلہ میں مولانا کو نہ تو امام المورخین ملے اور نہ حافظ حدیث ابن کثیر، اس لئے ابن اثیر کے حوالہ سے یہ نقل فرماتے ہیں کہ "یزید اس جہاد میں اپنی رغبت اور خوشی سے نہیں شریک ہوا تھا، بلکہ حضرت امیر معاویہؓ نے سزاءً اور تعزیراً زبردستی اس کو جہاد میں بھیجدیا تھا۔"

مولانا نے ابن اثیر کے اس من گھڑت افسانے سے یزید کی شرکتِ جہاد کی حقیقت پر روشنی تو ضرور ڈالی مگر اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس سے مولانا مدنی کے مندرجہ ذیل کلمات تاریکی میں پڑ گئے۔ فرماتے ہیں:-

"حتیٰ کہ خود استنبول (قسطنطنیہ) پر بڑی افواج سے حملہ کرنے وغیرہ میں یزید کو آزمایا جا چکا تھا۔ تاریخ شاہد ہے کہ معارکۂ عظیمہ میں یزید نے کارہائے نمایاں انجام دیئے۔"

پھر لطف یہ کہ مولانا مدنیؒ کی یہ تاریخی شہادت ہمارے "حکیم الاسلام" کو بھی تسلیم ہے۔ چنانچہ خود انھوں نے بھی اپنی

کتاب میں اسے نقل فرماکر سکوت اختیار فرمایا ہے جیسا کہ نمبر ۴۴ میں بھی اس کا ذکر ہوچکا ہے اور اسی موقع پر اپنے مولانا کی ایک صناعی کا بھی اظہار ہوا ہے۔

(۵۱) صـ۱۷۱ پر (اسی سلسلہ میں) فرماتے ہیں کہ:-

"ظاہر ہے کہ جس کے یہ عیش پرستانہ مشاغل ہوں اور مجاہدینِ ملت سے بے پرواہی کے یہ جذبات ہوں اس میں قلبی داعیہ سے جہاد کی آرزو اور جاں سپاری کی تمنائیں کہاں سے آسکتی ہیں"۔

مولانا کے اس سوال کا جواب جو کچھ ہم عرض کر سکتے تھے اوپر عرض کر چکے، اب تو مولانا کے لئے بہتر یہی ہے کہ وہ اس کا جواب "عالمِ ارواح" کو اپنا مراسلہ بھیجکر "مجاہدِ اسلام" اور "سابق شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند" سے ہی طلب فرمائیں۔ ہم "خوارج جماعت دارالعلوم" کیا عرض کر سکتے ہیں کیونکہ ہم اگر ایسی باتوں کو واقعی طور پر لائقِ جواب سمجھیں گے تو ہم کو حضرتِ حسینؓ کے بھائی عمر بن علیؓ کی "مجاہدینِ ملت" سے اس بے پرواہی کا بھی جواب دینا ہوگا جو ان سے جنگِ کربلا کے موقع پر حضرت حسینؓ سے تخلف برتنے کی صورت میں ظاہر ہوئی وہ فرماتے ہیں:-

"میں ایک عقلمند و محتاط جوان ہوں اگر میں بھی ان (حضرت حسینؓ) کے ساتھ نکلتا تو لڑائی میں مارا جاتا"

(عمدۃ المطالب بحوالہ خلافت معاویہ صـ۳۰)

اسی طرح اگر یزید کی شاعری کی جواب دہی بھی ہم اپنے لئے ضروری سمجھیں گے تو ہم کو خود حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ان اشعار کا بھی جواب دینا ہوگا جو انھوں نے (اپنی محبوب ترین زوجہ مطہرہ حضرت سیدہ رباب اور عزیز ترین صاحبزادی حضرت سیدہ سکینہ رحمۃ اللہ علیہما کے لئے) فرمائے تھے وہ اشعار یہ ہیں:-

لعمرك انني لاحب دارًا	تضيفها سكينة والرباب
احبهما وابذل بعد مالي	وليس للائمي فيها عتاب
ولست لهم وان عتبوا مطيعًا	حياتي او يغيبني التراب

(طبری صـ$\frac{199}{ج 13}$) (خلافت معاویہ صـ۲۷۵)

(ترجمہ) "تیری عمر کی قسم میں اس گھر سے بلا شبہ محبت کرتا ہوں جہاں سکینہ اور رباب میزبانی کرتی ہیں میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں پھر اپنا مال (ان پر) خرچ کرتا ہوں اور اس میں کسی ملامت کرنیوالے (ناصح مشفق) کی ملامت کا کوئی موقع نہیں ہے۔ میں ان "ناصحین" کی بات زندگی بھر نہیں سننے کا۔ یہاں تک کہ میں قبر میں چلا جاؤں"۔

(ترجمہ میں نقل کی پابندی نہیں کی گئی ہے)

اس لئے یزید کی شاعری پر اعتراض کا جواب صرف یہ ہے کہ "شعر مرا بمدرسہ کہ برد" آخر اس کے اشعار کو مدرسہ اور دارالافتاء تک کون لے گیا اور کیوں لیگیا۔

(۵۲) صـ۱۷۳ پر فرماتے ہیں کہ:-

"نہ ہی حضرت "امام" ہمام کا یہ اقدام ان میں سے کسی ایک روایت کے خلاف ٹھیرتا ہے کہ ان کے اس فعل پر ناجائز یا نامناسب ہونیکی تہمت لگائی جائے جو ٹوڈزی کے منہ میں گھس کر عباسی صاحب نے لگائی ہے"۔

عباسی صاحب ٹوڈزی کے منہ میں گھسے یا کہیں اور گھسے اس کو تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے ہم کو تو صرف اسی قدر معلوم ہے کہ ہمارے مولانا بھی حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی زبانی حضرت حسینؓ کو "مجتہد مخطی" کا مصداق ماننے کے لئے تیار ہیں (ملاحظہ ہو کتاب زیر بحث صـ۱۷۱) بلکہ صـ۱۷۱ پر خود بھی اقرار فرما چکے ہیں کہ "اگر کسی پہلو کی کوئی خطا اجتہادی ان کی طرف منسوب کر دی جاتی تو ان کی شان عالی کے منافی نہ ہوتی"۔

ظاہر ہے کہ مولانا جس بات کو خطا اجتہادی تک تسلیم فرمانے کے لئے تیار ہیں تو اسے نامناسب کہنے میں تو کوئی چیز مانع نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا اگر عباسی صاحب نے حضرت حسینؓ کے کسی اقدام کو نامناسب کہدیا تو آخر "حکیم الاسلام" کو اس قدر طیش کیوں آگیا کہ اس کے لئے ان کو "ٹوڈزی کے منہ میں گھسنے" کی تعبیر ہی پسند آئی۔ اس تعبیر پر مجھے تو آتش

کا یہ شعر یاد آتا ہے:۔

لگے منہ بھی چڑانے دیتے دیتے گالیاں صاحب
زباں بگڑی تو بگڑی تھی خبر لیجے دہن بگڑا

لیکن عباسی صاحب شاید مولانا کی خدمت میں شعر پیش فرمانا پسند کریں:۔

بدم گفتی و خرسندم عفاک اللہ نکو گفتی
جوابِ تلخ می زیبد لبِ لعلِ شکر خارا

(۵۳) صـ۱۷۹ (جو غلطی سے صـ۱۸۹ چھپ گیا ہے) پر فرماتے ہیں کہ:۔

"یزید کا ذکر بذاتہٖ مقصود نہ تھا الخ۔"

بہت خوب مولانا نے یزید کا ذکر ضمناً فرمایا تو ۷۵ صفحات لکھ ڈالے۔ خدا نخواستہ اگر یزید کی شامت آتی اور مولانا مستقل طور پر اس کی سوانح عمری لکھتے تو خدا جانے کتنی جلدیں تیار ہوتیں۔

(۵۴) صـ۱۸۰ پر فرماتے ہیں کہ:۔

"ایک متقی اور فاجر کے عمل کی صورت یکساں ہوتی ہے مگر منشاء الگ الگ ہوتا ہے اس لئے باوجود صورت کی یکسانی کے حکم الگ الگ ہوتا ہے۔"

پھر چند سطروں کے بعد فرماتے ہیں کہ:۔

"ایک ہی خطاء فکری ایک نو آموز طالب علم سے سرزد ہو اور وہی خطا بعینہٖ ایک پختہ کار عالم سے سرزد ہو تو دونوں پر یکساں حکم عائد نہیں ہوگا۔ فرق کی وجہ وہی ان کے علمی اور فکری احوال کا فرق ہوگا۔"

مولانا نے فرق کی وجہ تو لکھ دی مگر خود فرق نہیں لکھا کہ ان دونوں میں کیا فرق ہوگا۔ کہیں اس قسم کا فرق تو مولانا کی مراد نہیں ہے کہ۔ ؎

گرتے ہیں شہسوار ہی میدانِ جنگ میں
وہ طفل کیا گرے گا جو گھٹنوں کے بل چلے

یا مولانا یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ حضراتِ صحابہؓ سے خطا اجتہادی کا صدور ممکن تو ضرور ہے مگر جو اُن میں سے نوعمر و نو آموز رہے ہوں گے ان کی خطا اجتہادی کی نوعیت کچھ اور ہوگی اور جو حضرات پختہ کار اور کبیر السن رہے ہوں گے ان کی خطا اجتہادی کی نوعیت کچھ اور ہوگی۔ مثلاً حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کبیر السن اور پختہ کار صحابی تھے ان کی خطاءِ اجتہادی کی نوعیت اور رہی ہوگی اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ نوعمر صحابی تھے ان کی خطاءِ اجتہادی کی نوعیت کچھ اور رہی ہوگی۔

اگر مولانا کا مقصد کچھ اسی قسم کا ہے تو سخت تعجب ہے کیونکہ صحابہؓ کے درمیان صغر سنی وغیرہ کے فرق کو ملحوظ رکھنے کے تو مولانا قائل ہی نہیں ہیں ورنہ عباسی صاحب سے ان کو اختلاف ہی کیوں ہوتا، کیونکہ عباسی صاحب کا قصور ہی کیا تھا یہی تو تھا کہ انھوں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو صغیر السن کہہ دیا تھا یا دوسرے اکابرِ صحابہؓ کے اقوال کی روشنی میں حضرت کے "اقدام خروج" کو نامناسب کہہ دیا تھا۔

آخر میں اپنی اس بدگمانی کا ذکر بھی کرنا پڑتا ہے کہ مولانا کی کتاب "شہید کربلا اور یزید" کے صفحات ۱۰۶ تا ۱۷۹ کو دیکھ کر اندازہ یہی ہوتا ہے کہ یہ جوابی "شاہکار دیانت" یا تو عباسی صاحب کی کتاب کو دیکھے بغیر ہی تیار کیا گیا ہے اور یا تمام ناظرین سے یہ بیجا حسن ظن قائم کر لیا گیا ہے کہ وہ "تاج المعارف" اور "حکیم الاسلام" کا نام دیکھتے ہی سر تسلیم خم کر دینگے اور اس عظیم دعوتِ فکر کی اجابت ضرور کرینگے اور کوئی بھی اللہ کا بندہ ان "غلط انتسابات طیبہ" کا اصل "تحریراتِ محمودہ" سے مقابلہ کرنے کی جسارت و ہمت نہ کریگا۔

ظاہر ہے کہ یہ دونوں ہی صورتیں حد درجہ قابلِ افسوس ہیں جن کے باعث "جماعت دار العلوم" کی "دیانتِ مرحومہ" پر اگر خون کے بھی آنسو بہائے جائیں تو رونے کا حق ادا نہ ہوگا۔ "شہید کربلا اور یزید" پڑھکر جو تاثرات پیدا ہوئے انھیں سپردِ قلم کر دیا گیا ہے اور کوشش کیگئی ہے کہ کوئی ایسی بات نوکِ قلم پر نہ آنے پائے جس سے کسی کی دل آزاری ہو۔ اسکے باوجود اگر کہیں کوئی بات کسی کی شان میں سخت الفاظ میں ادا ہوئی ہو تو اس کا منشاء بھی غیظ حق ہی ہو سکتا ہے و ما توفیق